رُوحُ اور نَفَسْ

کے

اوصاف احوال اورانجام

مؤلف

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز وبیعت

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

رُوح اور نَفس

کے

اوصاف احوال اور انجام

مؤلف

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز بیعت

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: حاذق الامت حضرت مولانا حکیم ذکی الدین صاحب پرنامبیؒ

خلیفہ ومجاز: مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ

خلیفہ ومجاز: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ: اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

مخلص اور طالب حق کو طباعت کی اجازت ہے

نام کتاب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ روح اور نفس کے اوصاف احوال اور انجام

مؤلف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی

کمپیوٹر و کتابت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عبداللہ علاء الدین قاسمی

صفحات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔224

تعداد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سنہ اشاعت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ 2022

قیمت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ملنے کے پتے

☆ خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور دربھنگہ (بہار)

☆ قاری عبدالجبار صاحب استاذ: دارالعلوم محمودیہ سلطانپوری (نئی دہلی)

☆ قاری عبدالعلام صاحب نزد مدینہ مسجد پورانی سیماپوری (نئی دہلی)

☆ قاری مطیع الرحمان صاحب اتوار بازار نزد مدینہ مسجد اگر نگر مبارک پور (نئی دہلی)

☆ حضرت مولانا ریاض صاحب، نزد جامع مسجد پُرانی سیماپوری (نئی دہلی)

Mobile:7503224827,9818406313

7654132008/7428151390/9674661519

Pulbisher :

KHANQUAH E ASHRAFIA M.R.A

فہرست مضامین

مضامین	صفحات



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعد ہ محمد ن المصطفےٰ سید الانبیاء والمرسلینﷺ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

طویل عرصہ سے میری یہ نیت وآرزو تھی کہ روح اور نفس کی باریکیوں اوران کے حقائق واسرار پر کچھ تحریر کیا جائے۔ یہ موضوع کتنا دشوار گزار اور دقت طلب ہے کسی پر مخفی نہیں،لیکن چونکہ نفس اور روح کی معیت وحمایت اور اعانت سے انسان کو ہر لمحہ ہی نہیں بلکہ ہر سکنڈ بھی واسطہ پڑتا ہے اور یہی دونوں انسانی زندگی کی بقائے مسلسل کا مدار بھی ہیں، بریں بنا جب تک ان دونوں کے حقائق واحوال اوران کے اوصاف کی معرفت حاصل نہیں ہوگی ان کے تقاضوں اوران سے متعلق احکام خداوندی کی اتباع وتعمیل کی راہ میں سراسر دشواری ہوگی۔نفس اور روح کی حقیقتیں کیا ہیں؟ان کے احوال کیا ہیں؟ان کی کون کونسی صفات مطلوب اور کون کونسی صفات مذموم اور غیر قابل قبول ہیں ان سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔انسان کی تمام کامیابیوں اور ناکامیوں کا راز انہیں دونوں میں مضمر ہے،اگر یہ صحت منداور توانا ہیں تو پھر زندگی کا ہر سفر کامیاب ہوگا،خواہ دین کا ہو یا دنیا کا،اور اگر یہ دونوں بیمار ہو گئے تو سارا کھیل خراب اور زندگی ایک خرابۂ وحشت ناک کی تمثیل ونظیر بن جائے گی اور زندگی کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا،اور انسان دنیا کے انواع واقسام کی نعمتوں اور دولتوں کے باوجود راحت کے

بجائے مشقت اور رحمت کے بجائے زحمت و مصیبت کے جنگل میں حیران و سرگرداں رہ جائے گا، الغرض روح اور نفس صحت مند ہیں تو اعمال بھی صحیح اور صالح صادر ہوں گے اور اگر یہی بیمار ہوجائیں تو پھر سارے اعمال فاسد و خراب صادر ہوں گے۔

اسی لئے میں نے ان دونوں کو اپنا موضوع تحریر بنایا تاکہ قارئین پر ان کے حقائق واوصاف منکشف ہوجائیں اور ان کی تربیت وتہذیب کے دائرہ میں رہ کر زندگی کے روحانی سفر کو آگے بڑھائیں، جب ان دونوں کی اصلاح ہونی شروع ہوجائے گی تو پھر تصوف وسلوک کے وہ تمام منازل طے ہوتے چلے جائیں گے جو راہ طریقت و معرفت میں محبوبان خدا کو عطا کئے جاتے ہیں، مثلاً تجرید وتفرید، انقطاع عن الخلق اور انس مع الحق کے مقامات تک پہنچنے کی راہوں کی ہمواری وغیرہ۔

مردان خدا کو خلوت در انجمن اور سفر در وطن کی جو دولت حاصل ہوتی ہے وہ انہیں دونوں کی اصلاح کے بعد ہوتی ہے، غرض ایک مومن کی زندگی دست بکار اور دل بیار کی سچی تصویر اسی وقت بنتی ہے جب وہ نفس و روح کی بیماریوں کے صحیح علاج کیلئے پورے طور پر خود کو آمادہ کرلے، خداوند قدوس کی دستگیری اور چارہ سازی کی برکت سے اس آلودۂ معاصی نے چند سطور تحریر کردیا ہے، اللہ تعالیٰ ہر طالب حق کو رجوع و انابت تامہ کی دولت نصیب فرمائے، اور اس کتاب کو میرے اور کاتب کتاب مولوی عبداللہ سلمہٗ اور تمام ناظرین کیلئے ذریعۂ ہدایت ونجات بنائے (آمین)

(حضرت مولانا) محمد علاء الدین صاحب قاسمی

بروز دو شنبہ، بتاریخ ۲۹ جمادی الاولیٰ، ۱۴۴۳ھ

۲، جنوری بروز اتوار ۲۰۲۲ء

خانقاہ اشرفیہ و مکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

روح کیا ہے؟

یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْ حِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ (سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ رکوع ۱۰ آیت ۸۵)

کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روح کے متعلق معلوم کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کا حکم ہے اس کے احوال کا علم اللہ کو ہے اور تم کو تو صرف تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

روح کے بارے میں بقول امام رازیؒ کے ایک ہزار تک اقوال ملتے ہیں علامہ ابن قیمؒ نے مستقل ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہی کتاب الروح ہے، روح مدارِ بدن اور مبدأ حیات ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ علماءِ اسلام نے فرمایا ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جس کی شکل وصورت ہے، اور وہ صاحب روح کی شکل وصورت کے موافق ہوتی ہے۔

فلاسفہ کے نزدیک روح جوہر مجرد ہے غیر مادی شئی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے الطاف القدس اور حجۃ اللہ البالغہ اور تفہیمات میں روح کی حقیقت پر کلام فرمایا ہے۔ ارسطو فلسفی یونانی نے مستقلاً ایک رسالہ لکھا ہے۔ شیخ ابو العباس احمد سرخسی نے کتاب النفس والروح رسالہ لکھا ہے۔ امام غزالیؒ نے معارج القدس میں روح پر کلام کیا ہے۔ شیخ محی الدین ابن العربی نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام بھی کتاب الروح ہے۔ اسی نام کا ابن قیمؒ کا رسالہ ہے، حافظ قاسم سہیلی اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے عمدہ ابحاث فرمائی ہیں۔ (کذا فی معارف السنن شرح ترمذی صفحہ ۴۲ رجلد اول ر،)

علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایک عالَم خلق ہے اور ایک عالَم امر ہے عالم خلق نام ہے اس کا جو آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا ہے اور جو غیر مشہود ہے وہ عالم امر ہے اور روح بھی عالم امر سے ہے (فیض الباری)

اور بقول شاہ ولی اللہؒ کہ روح کی مثال ایسی ہے جیسی کہ گل میں خوشبو ہوتی ہے اور مزید فرمایا کہ اللہ پاک کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ روح کی حقیقت کوئی نہیں جانتا بلکہ یہ مطلب ہے کہ اللہ پاک نے روح کا علم ہر کس و ناکس کو نہیں دیا، خاص متعلقین روح کی حقیقت سے واقف ہیں اللہ پاک نے ان پر اس کی حقیقت کو منکشف کیا ہے اور یہ اللہ پاک کا ان پر خصوصی فضل و کرم ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

روح کی حقیقت تک پہنچنا بہت مشکل ہے

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ (سورہ بنی اسرائیل)

مذکورہ آیت کریمہ کے تحت علّامہ شبیر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: روح کی اصل کہنہ و حقیقت تک پہنچنے کا دعویٰ تو بہت مشکل ہے، کیونکہ ابھی تک کتنی ہی محسوسات ہیں جن کی کنہ و حقیقت معلوم کرنے سے ہم عاجز رہے ہیں، تاہم میرے نزدیک آیات قرآنیہ سے روح کے متعلق ان چند نظریات پر صاف روشنی پڑتی ہے، (ا) انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ اور کوئی چیز موجود ہے جسے ''روح'' کہتے ہیں وہ عالم ''امر'' کی چیز ہے اور خدا کے حکم و ارادہ سے فائض ہوتی ہے۔

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ (بنی اسرائیل)

خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَه كُنْ فَيَكُوْنُ: (سورہ آل عمران)

ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ. (سورۃ المؤمنون)

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَآ أَرَدْنَٰهُ أَن نَّقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ۔ (سورہ یس)

(۲) روح کی صفات علم و شعور وغیرہ بتدریج کمال کو پہنچتی ہیں اور ارواح میں حصول

کمال کے اعتبار سے بیحد تفاوت وفرق مراتب ہے، حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کی تربیت سے ایک روح ایسے بلند اور اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں دوسری ارواح کی قطعاً رسائی نہ ہو سکے، جیسے روح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچی۔

(۳) مگر اس کے یہ کمالات ذاتی نہیں، وہاب حقیقی کے عطا کئے ہوئے ہیں، اور محدود ہیں۔

يدل عليه قوله تعالىٰ: وَ ما أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔

روح انسانی خواہ علم وقدرت وغیرہ صفات میں کتنی ہی ترقی کر جائے حتیٰ کہ اپنے تمام ہم جنسوں سے گو یہ سبقت لے جائے پھر بھی اس کی صفات محدود رہتی ہیں، صفات باری کی طرح لامحدود نہیں جاتیں اور یہی بڑی دلیل اس کی ہے کہ آریوں کے عقیدہ کے موافق روح خدا سے علیحدہ کوئی قدیم مخلوق ہستی نہیں ہوسکتی، ورنہ تحدید کہاں سے آتی۔

(۴) کتنی ہی بڑی کامل روح ہو حق تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس وقت چاہے اس سے کمالات سلب کر لے، گو اس کے فضل ورحمت سے کبھی ایسا کرنے کی نوبت نہ آئے، اس کے اوپر قرآن پاک کی آیت دلیل ہے۔

وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِٱلَّذِىٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِۦ عَلَيْنَا وَكِيلًا اِلاَّ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْکَ كَبِيْرًا: (بنی اسرائیل)

یہ چند اصول جو ہم نے بیان کئے اہل فہم کو نسق آیت میں ادنیٰ تأمل کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں، صرف ایک ''عالم امر'' کا لفظ ہے جس کی مناسب تشریح ضروری ہے اور جس کے سمجھنے سے امید ہے روح کی معرفت حاصل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔ آگے حضرت علّامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لفظ ''امر'' قرآن کریم میں بیسیوں جگہ آیا اور اس وقت سورہ

''اعراف'' کی آیت: أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالأَمْرُ، کو''خلق'' کے مقابل رکھا ہے، جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مد بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں ایک ''خلق'' دوسرا ''امر'' پھر حضرت علّامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانہ کی سمجھو جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں، کوئی کپڑا بن رہی ہے، کوئی آٹا پیس رہی ہے، کوئی کتاب چھاپتی ہے، کوئی شہر میں روشنی پہنچا رہی ہے، کسی سے پنکھے چل رہے ہیں وغیرہ ذالک، ہر ایک مشین میں بہت سے کل پرزے ہیں جو مشین کی غرض وغایت کا لحاظ کر کے ایک معین انداز سے ڈھالے جاتے اور لگائے جاتے ہیں، پھر سب پرزے جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جاتا ہے، جب تمام مشینیں فٹ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہیں تب الکٹرک اور بجلی کے خزانہ سے ہر مشین کی طرف جدا جدا راستہ سے کرنٹ چھوڑ دیا جاتا ہے، آن واحد میں ساکن وخاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کے موافق گھومنے اور کام کرنے لگ جاتی ہیں، بجلی ہر مشین اور ہر پرزہ کو اس کی مخصوص ساخت اور اغراض کے مطابق گھماتی ہے، حتیٰ کہ جو قلیل وکثیر کہر بائیہ روشنی کے لیمپوں اور قمقموں میں پہنچتی ہے وہاں پہنچ کر انہیں قمقموں کی ہیئت اور رنگ اختیار کر لیتی ہے، اس مثال سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا اس کے کل پرزوں کا ٹھیک اندازہ پر رکھنا اور فٹ کرنا ایک سلسلہ کے کام ہیں جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کیلئے ایک دوسری چیز (بجلی) یا اسٹیم اس کے خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے اول آسمان وزمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو''خلق'' کہتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جسے ''تقدیر'' کہا گیا ہے، ۔قدرہ تقدیرا۔ سب کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جسے تصویر کہتے ہیں: **خلقنا کم ثم صورنا کم۔**

یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے، اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے لگا دیا جائے، آخر مشین کو چالو کرنے کیلئے ''امر الٰہی'' کی بجلی چھوڑ دی گئی شاید اس کا تعلق اسم ''باری'' سے ہے: اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ۔ (سورۃ الحشر)

غرض ادھر سے حکم ہوا ''چل'' فوراً چلنے لگی، اسی امر الٰہی کو فرمایا: اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (سورہ یٰس)

دوسری جگہ نہایت وضاحت کے ساتھ امر ''کن'' کو خلق جسد پر مرتب کرتے ہوئے ارشاد ہوا: خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (سورہ آل عمران)

بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ''کن فیکون'' کا مضمون جتنے ایک موضع میں آیا ہے عموماً خلق وابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے، جس سے خیال گذرتا ہے کہ کلمہ کن کا خطاب ''خلق'' کے بعد تدبیر وتصریف کیلئے ہوتا ہے۔

بہرحال یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں امر کے معنیٰ حکم کے ہیں اور وہ حکم یہی ہے، جسے لفظ کن سے تعبیر کیا گیا، اور کن جنس کلام سے ہے، جو حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے، جس طرح ہم اس کی صفات مثلاً حیات ''سمع'' بصر وغیرہ کو بلا کیفیت تسلیم کرتے ہیں۔ آگے حضرتؒ فرماتے ہیں: رہی بات ''کن'' کا حکم جو قسم کلام سے ہے، جو ہر مجرد، یا جسم نورانی لطیف کی شکل کیونکر اختیار کرسکتا ہے؟ اسے یوں سمجھ لو کہ تمام عقلاء اس پر متفق ہیں کہ ہم خواب میں جو اشکال وصور دیکھتے ہیں بعض اوقات وہ محض ہمارے خیالات ہوتے ہیں، جو دریا، پہاڑ، شیر، بھیڑئے وغیرہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں، اب غور کرنے کا مقام ہے کہ خیالات جو اغراض ہیں اور دماغ کے ساتھ قائم ہیں وہ جواہر اور جسام کیونکر بن گئے، اور کس طرح ان میں اجسام

کے لوازم وخواص پیدا ہو گئے، یہاں تک کہ بعض دفعہ خواب دیکھنے والے سے بیدار ہونے کے بعد ان کے آثار جدا نہیں ہوتے۔

فی الحقیقت خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو خواب کے ذریعہ سے بڑی بھاری ہدایت کی ہے، کہ جب ایک آدمی کی قوۃ مصورہ میں اس نے اس قدر طاقت رکھی ہے کہ وہ اپنی بساط کے موافق غیر مجسم خیالات کو جسمی سانچہ میں ڈھال لے اور ان میں وہی خواص وآثار باذن اللہ پیدا کرے جو عالم بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے، پھر تماشہ یہ ہے کہ وہ خیالات خواب دیکھنے والے کے دماغ سے ایک منٹ کو علیحدہ بھی نہیں ہوئے۔

ان کا ذہنی وجود بدستور قائم ہے تو کیا اس حقیر سے نمونہ کو دیکھ کر ہم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے، قادر مطلق اور مصور حق جل وجلا وعلا کا امر بے کیف (کن) باوجود صفت قائمہ بذاتہ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے۔

ان صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں، وہ ارواح اور ملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں اور ''امر الٰہی'' بحالہ قدیم رہے۔ امکان وحدوث کے آثار واحکام ارواح وغیرہ تک محدود رہیں اور ''امر الٰہی'' ان سے پاک وبرتر ہے، جیسے جو صورت خیالیہ بحالت خواب آگ کی صورت میں نظر آتی ہے اس صورت ناریہ میں احراق سوزش، گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں، حالانکہ اسی آگ کا تصور سالہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک سکنڈ کیلئے یہ آثار محسوس نہیں ہوتے، پس کوئی شبہ نہیں کہ روح انسانی (خواہ جوہر مجرد ہو یا جسم لطیف نورانی) ''امر ربی'' کا مظہر ہے لیکن ضرور نہیں کہ مظہر کے سب احکام وآثار ظاہر پر جاری ہوں۔ کما ہوالظاہر۔

آ گے حضرت علاّمہ رحمۃ اللہ علیہ اپنا آخری قول فیصل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رہا یہ مسئلہ کہ روح جوہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکماء قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے، یا جسم نورانی لطیف جیسا کہ جمہور اہل حدیث وغیرہ کی رائے ہے، اس میں میرے نزدیک قول فیصل وہی ہے جو بقیۃ السلف بحر العلوم علاّمہ سید انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ:

(1) وہ جواہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں جیسے ہمارے ابدان مادیہ (2) جواہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے جنہیں صوفیہ اجسام مثالیہ کہتے ہیں۔ (3) وہ جواہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ ارواح یا حکماء جواہر مجردہ کے نام سے پکارتے ہیں، جمہور اہل شرع جس کو روح کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک بدن مثالی سے موسوم ہے، جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے، اور بدن مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان، ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے، یہ روح بدن مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے، اور اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے، جس سے بدن پر حالت موت طاری ہونے نہیں پاتی، گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق جو بغوی نے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا۔ کی تفسیر میں نقل کیا اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے، مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے، جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔

آ گے علاّمہ رحمۃ اللہ علیہ آخری بات فرماتے ہیں کہ: بہرحال اہل شرع جو روح ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اس کا انکار نہیں بلکہ وہ اس کے اوپر ایک اور روح مجرد مانتے ہیں، جس میں کوئی استحالہ نہیں بلکہ اس روح مجرد کی بھی کوئی اور روح ہو اور آخر میں کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر امر ربی کی وحدت پر منتہی ہو جائے تو انکار کی ضرورت نہیں۔

مذکورہ بالا تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو کن کی مخاطب ہوئی روح حیات پائی جائے۔

بیشک میں یہی سمجھتا ہوں کہ ہر مخلوق کی ایک نوع کو اس کی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے، یعنی جس کام کیلئے وہ چیز پیدا کی گئی ہے، ڈھانچہ تیار کر کے اس کو حکم دینا ''کن'' اس کام میں لگ جا۔ بس یہی اس کی روح حیات ہے، جب تک اور جس حد تک اپنی اغراض ایجاد کو پورا کرے گی زندہ سمجھی جائے گی، اور جس قدر اس سے بعید ہو کر معطل ہوتی جائے گی اسی قدر موت سے نزدیک یا مردہ کہلائے گی۔ (سورہ بنی اسرائیل، ترجمہ شیخ الہند و تفسیر علّامہ شبیر عثمانیؒ ص/ 386)

روح خدا کے اسرار میں سے ایک پوشیدہ راز ہے

قل الروح من امر ربی: کی تفسیر میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

أي من جنس ما استأثر اللّٰه تعالیٰ بعلمه من الأسرار الخفية التي لا تكاد تدركها عيون عقول البشر۔

روح اس جنس مخلوقات میں سے ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کیا ہے، خدا کے اسرار پوشیدہ میں سے وہ ہے جس کا ادراک انسانی عقول سے باہر ہے۔ (روح المعانی، ج،۹، ص،۲۲۱)

روح کی حقیقت و ماہیت کا بیان

آیت کریمہ: **وما اوتيتم من العلم الا قليلا،** سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی حقیقت نہیں سمجھی جا سکتی، کیونکہ ہر مسئلہ کو سمجھنے کیلئے ذہن کی ایک سطح اور علم کی ایک مقدار ضروری ہے، روح کا مسئلہ نہایت دقیق ہے، اس کو سمجھنے کیلئے جو علمی مستوی چاہئے وہ

انسان کو حاصل نہیں، آیت میں خطاب یہود سے ہے، جنہوں نے روح کے متعلق سوال کیا تھا ان کا علمی مستوی اتنا بلند نہیں تھا کہ روح کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔

قرآن کریم جمہور (عام لوگوں) کی استعداد پیش نظر رکھ کر نازل کیا گیا ہے، قرآن کریم میں ایسے دقیق مضامین نہیں لئے گئے، جو عام لوگوں کیلئے معمہ بن جائیں، اور عام لوگ چونکہ روح کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے اس لئے قرآن نے سکوت اختیار کیا مگر یہ سکوت اس پر دلالت نہیں کرتا کہ روح کی حقیقت کوئی نہیں سمجھ سکتا، میرے استاد محترم رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ نمبر ۲۳۴، جلد، اول میں تحریر فرماتے ہیں: روح کے بارے میں جتنی بات بتلانی ضروری تھی اور وہ عام لوگوں کی سمجھ میں آسکتی تھی وہ قرآن کریم نے بتلادی ہے، اور روح کی تمام حقیقت اس لئے بیان نہیں کی گئی کہ وہ عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں، کوئی دینی کام یا دنیوی معاملہ اس کی حقیقت سمجھنے پر موقوف نہیں۔

روح کے بارے میں آیت کریمہ میں بس اتنا بتلایا گیا ہے کہ وہ ایک چیز ہے، جو اللہ کے حکم سے بدن میں پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے حیوان جی اٹھتا ہے، اور جب وہ چیز بدن سے نکل جاتی ہے تو جاندار مر جاتا ہے۔

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۵۴ میں فرمایا گیا ہے کہ: **الا له الخلق و الامر**، (سنو! خلق (پیدا کرنا) اور امر (حکم دینا) دونوں ہی اللہ کیلئے ہیں) اس آیت میں خلق کو امر کے مقابل رکھا گیا ہے، خلق: پیدا کرنے یعنی ڈھانچہ بنانے کا نام ہے، پھر حکم ہوتا ہے کہ ''ہوجا'' کن، پس وہ چیز ہوجاتی ہے۔

اب روح کی حقیقت یہ واضح ہوئی کہ وہ ایک غیر مادی چیز ہے، جس کو ''وجود'' سے بھی

تعبیر کر سکتے ہیں ، جب کسی جاندار کا ڈھانچہ بن کر تیار ہو جاتا ہے یعنی تخلیق کا کام مکمل ہو جاتا ہے تو اللہ کا حکم ہوتا ہے جس سے اس ڈھانچہ میں ایک وجود پیدا ہو جاتا ہے، وہی روح ہے، اور جب وہ ''وجود'' ڈھانچہ سے نکال لیا جاتا ہے تو اس کا نام موت ہے، آیت کریمہ میں قل الروح من امر ربی ۔ کہہ کر یہی بات مختصر اور واضح انداز میں بیان کی گئی ہے ۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ جلد اول، صفحہ ۲۳۵)

فائدہ: روح کی یہ تشریح حضرت علّامہ شبیر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کے بالکل مطابق ہے، انداز بیان دونوں حضرات کے جدا جدا ہیں ۔

روح کیا چیز ہے؟

روح کی حقیقت اول وہلہ میں یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مبدأ حیات یعنی سرچشمہ زندگی کا نام روح ہے، جس کے جسم میں آنے سے حیوان (جاندار) زندہ ہو جاتا ہے، اور جس کے بدن سے جدا ہونے سے جاندار مر جاتا ہے، پھر جب مزید غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ روح ایک لطیف بھاپ ہے، جب وہ جسم میں پیدا ہوتی ہے تو جسم زندہ ہو جاتا ہے۔

اب تین سوال پیدا ہوتے ہیں: (۱) یہ بھاپ کہاں پیدا ہوتی ہے؟ (۲) کس چیز سے پیدا ہوتی ہے؟ (۳) اور کہاں رہتی ہے؟

جواب:

(۱) یہ بھاپ دل میں پیدا ہوتی ہے۔

(۲) اور اخلاط اربعہ یعنی خون، بلغم، سودا اور صفراء کے خلاصے (نچوڑ) سے پیدا ہوتی

ہے اوراس میں احساس کرنے کی ، بدن کوحرکت دینے کی اور کھائی ہوئی غذاء کے نظم وانتظام کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، جیسے انجن میں کوئلے اور پانی سے جو اسٹیم تیار ہوتی ہے اس میں پرزوں کوحرکت دینے کی صلاحیت ہوتی ہے، اسی طرح دل میں جو اسٹیم تیار ہوتی ہے اس میں مذکورہ بالا تینوں صلاحیتیں ہوتی ہیں ، اور علم طب میں اسی بھاپ کے احوال سے بحث کی جاتی ہے، کیونکہ عام طور پر جسم بیمار نہیں ہوتا بلکہ اس بھاپ میں خلل پڑتا ہے جس کی وجہ سے اعضاء کے افعال بگڑ جاتے ہیں اور جب دواؤں سے بھاپ صحیح ہوجاتی تو سارے اعضاء صحیح کام کرنے لگتے ہیں۔

(۳) یہ بھاپ بدن کے ہر ہر جزء میں ہوتی ہے، جیسے عرق گلاب، گلاب کے پھول کی پنکھڑیوں کے ہر ہر جزء میں ہوتا ہے، اور آگ انگارے کے جزء میں ہوتی ہے۔

اور تجربے سے تین باتیں معلوم ہوئی ہیں:

(۱) اس اسٹیم کے احوال یعنی پتلا گاڑھا ہونا اور صاف گدلا ہونا ، انسان کے قوی اور ان سے سرزد ہونے والے اعمال پر اثر انداز ہوتے ہیں ، اسی لئے شریعت نے اکل حلال پر بہت زور دیا ہے، کیونکہ جب اسٹیم صحیح پیدا ہوگی جبھی اعمال درست ہوں گے۔

(۲) اگر بھاپ کے سرچشمہ پر کوئی آفت طاری ہوتی ہے اور بھاپ بننا بند ہوجاتی ہے یا کسی عضوء پر کوئی آفت نال ہوتی ہے اور عضو کی طرف بھاپ کی سپلائی بند ہوجاتی ہے تو انسان یا تو مرجاتا ہے یا وہ عضو بیکار ہوجاتا ہے۔

(۳) اس اسٹیم کا جلنا زندگی کو، اور اس کا تحلیل ہوجانا موت کو چاہتا ہے۔

غرض سرسری نظر میں یہی بھاپ روح ہے ، اور گہری نظر میں یہ روح کا نچلا درجہ

ہے،اصل روح اس سے اوپر ہے جیسا کہ آگے آرہا ہےاوراس روح کونسمہ ،روح ہوائی اورروح حیوانی بھی کہتے ہیں۔(رحمۃ اللہ الواسعۃ جلداول صفحہ نمبر ۲۳۶)

اصل روح، روح ربّانی ہے

مزید غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اصل روح یہ بخار لطیف یعنی نسمہ نہیں ہے، یہ تو اصلی روح کی سواری ہے اور اس کا بدن سے تعلق جوڑتی ہے، جیسے گوند دو چیزوں کو جوڑتا ہے اسی طرح نسمہ اصلی روح کا جسم سے تعلق جوڑتی ہے،اصل روح روح ربّانی ہے، جو روح الٰہی، روح قدوسی، روح فوقانی اور نفس ناطقہ بھی کہلاتی ہےاور یہی روح کا اعلیٰ درجہ ہے۔

اور دلیل یہ ہے کہ جس طرح انسان بدن کا نام نہیں، اسی طرح نسمہ کا نام بھی نہیں، کیونکہ جس طرح بدن میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اسی طرح نسمہ بھی بدلتا رہتا ہے،اور بدلنے والی چیز معین انسان نہیں ہوسکتی، کیونکہ وہ تو غیر متبدل حقیقت ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ زید بدن کا نام نہیں بدن تو ایک لبادہ ہے جو روح میں اس عالم کے اجساد میں اوڑھ لیا ہے، کیونکہ بدن ہو یا نہ ہو زید بہر حال موجود رہتا ہے اسی طرح اس عالم میں اجساد میں بھی بعض مرتبہ جسم کا بڑا حصہ ضائع ہوجاتا ہے پھر بھی زید بتمامہ موجود رہتا ہے، اسی طرح بچپن سے بوڑھاپے تک بدن میں بے شمار تغیرات ہوتے ہیں پھر بھی زید بحالہ رہتا ہے۔

اسی طرح نسمہ میں بھی بار بار تبدیلیاں آتی ہیں مگر زید بحالہ رہتا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی وہ خواہ بچہ ہو یا جوان ، ادھیڑ عمر ہو یا بوڑھا ، چھوٹا ہو یا بڑا ، سیاہ ہو یا

سفید، عالم ہو یا جاہل ، وہ زید ہی رہتا ہے، اور یہ تمام تبدیلیاں بدن اورنسمہ میں آتی ہے، زید میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اور اگر مختلف ادوار کی تبدیلیوں میں کوئی اشکال ہوتو ہم ایک ہی حال میں مثلاً بچپن میں یہ تبدیلیاں فرض کر سکتے ہیں یا ہم یہ کہیں گے کہ زید کے اوصاف کا ایک حال پر برقرار رہنا یقینی نہیں، اور زید کا ایک حال پر باقی رہنا یقینی ہے اس لئے زید کے اندر ایک ایسی حقیقت ماننی پڑے گی جس میں کوئی تبدیلی نہ آئے اور وہی در حقیقت زید ہو، اسی حقیقت کا نام روح ربّانی ہے۔

غرض زید کی ماہیت نسمہ نہیں ، نہ بدن اس کی حقیقت ہے، نہ اس کے تشخصات اس کی ماہیت ہیں جو ہمیں نظر آتے ہیں، اور جو اس کو بکر، عمر، خالد سے ممتاز کرتے ہیں ، بلکہ اس کی ماہیت یعنی **مابہ الشی ھو ھو** ، روح ربّانی ہے۔

روح ربّانی کیا چیز ہے؟ روح ربّانی درحقیقت ایک بسیط چیز ہے، اور نورانی نقطہ ہے، اس کا انداز نسمہ کے انداز سے بالکل مختلف ہے، نسمہ کے انداز تو باہم متضاد بھی ہیں اور بدلتے بھی رہتے ہیں، ان میں سے بعض جواہر ہیں، بعض اعراض، مگر روح ربّانی کی صورت حال یہ نہیں، وہ ہمیشہ یکساں اور ایک حال پر رہتی ہے، انسان خواہ بچہ ہو یا بوڑھا، کالا ہو یا سفید، عالم ہو یا جاہل، روح ربّانی ایک ہی حال پر رہتی ہے، اور اس کا براہ راست تعلق نسمہ کے ساتھ ہوتا ہے، بدن کے ساتھ نہیں ہوتا ، بدن کے ساتھ اس کا تعلق بالواسطہ ہوتا ہے، یعنی بدن چونکہ نسمہ کی سواری ہے اور نسمہ روح ربّانی کی ، اور سواری کی سواری سواری ہوتی ہے، اس طرح بدن بھی روح ربّانی کی سواری بن جاتا ہے۔

بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ روح ربّانی عالم بالا کی طرف سے کھلنے والا ایک روزن

(دریچہ، کھڑکی) ہے، اس سوراخ سے انسان پر ہر وہ چیز اترتی ہے جس کی نسمہ میں استعداد ہوتی ہے جیسے دھوپ، دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑوں کو سفید کرتی ہے، مگر دھوبی دھوپ میں کھڑے کھڑے کالو ہو جاتا ہے، گھر کے صحن میں پڑا ہوا کالا توا دھوپ سے نہیں چمکتا مگر آئینہ جگمگا اٹھتا ہے اور میں جو یہ سبق پڑھا رہا ہوں اس کو بعض طلبہ پوری طرح سمجھ رہے ہیں، بعض کچھ کچھ سمجھ رہے ہیں اور بعض کچھ بھی نہیں سمجھ رہے، یہ سب استعداد کا فرق ہے، اسی طرح جس نسمہ میں جیسی استعداد ہوتی ہے ویسا عالم بالا سے اس پر فیض اترتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ زید میں جو تبدیلیاں آتی ہیں وہ استعداد ارضی کا نتیجہ ہوتی ہیں، چونکہ اس کا بدن اور نسمہ مٹی سے تیار ہوا ہے، اس لئے اس میں تغیرات ہوتے ہیں، اور روح ربّانی چونکہ عالم بالا کی چیز ہے اسلئے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

اشکال: روح کی اس بحث پر اشکال یہ ہے کہ نسمہ کے وجود میں آنے سے پہلے بدن میں اخلاط کون تیار کرتا ہے؟ ان کا خلاصہ کون نکالتا ہے؟ دل کو متحرک کون کرتا ہے جس سے بھاپ تیار ہوتی ہے؟ یہ کام تو طبیعت مدبرہ کے ہیں اور وہ ابھی وجود پذیر نہیں ہوئی، اسی طرح شاہ صاحب نے روح ربّانی صرف انسان میں مانی ہے، جیسا کہ آگے آئے گا، دیگر حیوانات میں شاہ صاحب صرف نسمہ مانتے ہیں، حالانکہ دلیل دیگر حیوانات میں بھی جاری ہوسکتی ہے اور حیوان حیوان میں فرق کسی نے نہیں کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دوسرا فائدہ موت کے بعد نسمہ کی زندگی:

موت کے بعد نسمہ کو نئی زندگی ملتی ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد روح ربّانی نسمہ کی تربیت کرتی ہے، اور اس میں جو حس مشترک باقی رہ گئی ہے اس کو عالم

مثال سے کمک پہنچاتی ہے، جس سے اس کو نشاۃ ثانیہ ملتی ہے اور اس میں ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ سننے، دیکھنے، اور بات کرنے کے قابل ہو جاتی ہے، اور عالم مثال کی کمک سے مراد وہ قوت ہے جو مجرد اور محسوس کے بین بین افلاک میں شئ واحد کی طرح بکھری ہوئی ہے، (یعنی وہ قوت نہ بالکلیہ مجرد ہے، نہ مادی، بلکہ بین بین ہے)

اور جب نسمہ کو نئی زندگی مل جاتی ہے تو کبھی اس میں جسم دار ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اس وقت نسمہ کو عالم مثال کی مدد سے نورانی یا ظلمانی مثالی جسم دیدیا جاتا ہے پھر عالم برزخ کے حیرت زدہ واقعات شروع ہو جاتے ہیں قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے، سوال وجواب ہوتے ہیں، عذاب قبر کی مختلف شکلیں رونما ہوتی ہیں اور قبر میں راحتوں کا سامان شروع ہو جاتا ہے۔

تیسرا فوائدہ: صور پھونکنے کے بعد کے احوال:

جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز ختم ہو جائے گی، پھر جب فیصلہ خداوندی کا ہوگا تو دوبار صور پھونکا جائے گا، اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فیضان عام ہوگا، جیسا ابتدائے آفرینش کے وقت ہوا تھا جب اجسام میں روحیں پھونکیں گئی تھیں اور عالم موالید کی بنیاد قائم کی گئی تھی، ویسا ہی فیضان قیامت کے دن بھی ہوگا، جس سے سب لوگوں کو نئی زندگی مل جائے گی اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ روح ربّانی کے فیضان سے نسمہ کو خالص مادی یا مادہ اور مثال کے بین بین جسم مل جائے گا اور میدان قیامت کے وہ تمام واقعات شروع ہو جائیں گے جس کی صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔

چھوتھا فائدہ: ملکیت وبہیمیت

انسان میں تین چیزیں ہیں، سب سے نیچے جسم ہے، درمیان میں نسمہ، اور اوپر روح

ربّانی ہے، پس نسمہ کا جو رخ جسم کی طرف ہے اس کا نام بہیمیت ہے، اور اس کا جو رخ روح ربّانی کی طرف ہے اس کا نام ملکیت، یعنی جسم کے ساتھ تعلق کی وجہ سے جو برے اثرات نسمہ میں پیدا ہوتے ہیں اس کا نام بہیمیت (وحشی پن) ہے، اور روح ربّانی کے ساتھ تعلق کی وجہ سے جو اچھے اثرات نسمہ میں پیدا ہوتے ہیں اس کا نام ملکیت (فرشتہ پن) ہے۔

پانچواں فائدہ: روح کی پوری حقیقت بیان نہیں کی گئی:

اس باب میں روح کے تعلق سے جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ صرف تمہیدی باتیں ہیں، اور اس لئے بیان کی گئی ہے کہ آپ کتاب علی وجہ البصیرت پڑھیں اور اس پر مسائل کو متفرع کریں، روح کی پوری حقیقت سے پر وہ ایک دوسرے علم میں اٹھایا جا سکتا ہے، جو اس علم سے برتر ہے یعنی وہاں اس مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو کی جا سکتی ہے، یہاں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے زیادہ مناسب نہیں، ورنہ بات دور جا پڑے گی، اور وہ دوسرا علم فلسفہ تصوف ہے، وہاں زیادہ بحث مناسب ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ، صفحہ ۲۴۳)

روح اور نفس کی خاصیت وحقیقت کیا ہے؟

روح کی حقیقت کا ادراک نہیں کیا جا سکتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ یہودیوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کرنے پر بس اتنا فرما دیا کہ: قل الروح من أمر ربی" آپ فرما دیجیے کہ روح اللہ تعالی کے حکم سے پیدا شدہ ایک چیز ہے" اس کی حقیقت و ماہیت کو بیان نہیں فرمایا؛ البتہ علماء نے روح کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ روح ایک جسمِ لطیف ہے اور اس جسمِ عنصری کے مخالف ہے، زندہ متحرک ہے جو تمام اعضاء

بدن میں سرایت کرتا ہے، بدن میں اس کا سرایت کرنا ایسا ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی، زیتون میں روغن اور کوئلہ میں آگ ۔جسم کی شکل کے مطابق روح کی بھی لطیف صورت ہے، روح کی بھی دو آنکھیں ہیں، کان ہیں ہاتھ اور پاؤں ہیں؛ بلکہ روح کے ہر عضو کی نظیر بدنِ انسانی میں موجود ہے۔(تحفۃ القاری شرح بخاری: ۲/ ۴۴ بحوالہ دلائل السلوک: ۵۵)

روح کو جب بدن میں داخل کیا جاتا ہے تو بدن کی خصوصیات سامنے آتی ہیں مثلاً: بچپن، جوانی بڑھاپا اور بچپن میں ذہن، عقل فہم ادراک وغیرہ کا ناقص ہونا پھر رفتہ رفتہ عمر کے ساتھ ترقی کرنا وغیرہ یہ بدن کی خصوصیات ہیں ورنہ روح تو اپنی پیدائش کے وقت سے ہی عاقل و بالغ اور ذی فہم ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو" ألست بربکم" کے جواب میں" بلی" کیوں کہتی، سوال سننا، سمجھنا اور جواب دینا روح کے پیدائشی عاقل و بالغ ہونے کی دلیل ہے۔ جہاں تک نفس کا تعلق ہے تو نفس روح ہی کا دوسرا نام ہے، قرآن شریف میں ہے: اللہ یتوفی الأنفس حین موتہا "اللہ تعالیٰ ہی قبض کرتے ہیں جانوں کو ان کی موت کے وقت"؛ البتہ روح اور نفس میں مغایرت بوجہ اوصاف کے ہے اولیت کے اعتبار سے روح ہے یعنی فرشتہ جب ماں کے پیٹ میں پھونکتا ہے روح ہے، اور جب پیدا ہوتا ہے اور کسبِ اخلاق واوصاف حمیدہ یا ذمیمہ کرتا ہے اور بدن سے عشق و محبت پیدا کر لیتا ہے اور مصالحِ بدن میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس پر لفظِ نفس بولا جاتا ہے۔(دلائل السلوک: ۴۶ تا ۵۹)

جسم سے نسب چلتا ہے، روح سے نسبت

ہر انسان کے ساتھ جسم ہے اور روح ہے، جسم کے ساتھ جسمانی چیزیں وابستہ ہیں اور

روح کے ساتھ روحانی چیزیں وابستہ ہیں، جسم سے نسب حاصل ہوتا ہے، روح سے نسبت حاصل ہوتی ہے، اس لئے کہا گیا ہے کہ نسب بھی صحیح ہونا چاہئے اور نسبت بھی۔ میاں بیوی صحیح رہیں گے تو نسب صحیح ہوگا اور اچھے لوگوں کی صحبت مل گئی تو نسبت صحیح ہوگی لیکن دونوں کے آداب ہیں کہ نکاح صحیح ہو اور نکاح کے جو شرائط ہیں۔ یعنی گواہ کا ہونا، اعلان ہونا وغیرہ یہ شرائط پوری ہوں اور پھر میاں بیوی صحیح ہوں، تندرست ہوں پھر انشاءاللہ اولاد ہوگی، اس سے صحیح نسب چلے گا۔ لیکن اگر نکاح نہ کرے تو ظاہری طور پر سلسلہ تو چل رہا ہے لیکن نسب منقطع ہوجائے گا۔ ایسے ہی نسبت حاصل کرنے کے لئے صحبت صحیح ہونی چاہئے۔ ورنہ اگر ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اگر مرد صحیح ہے تو اس سے بیوی کو نسب ملے گا اور مرد اللہ والا ہے تو اس سے بیوی کو نسبت ملے گی اس طرح دونوں چیزیں جمع ہوجائیں گی۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اچھی بیوی لاؤ، دیندار لاؤ، تو اس سے تمھارا نسب محفوظ رہے گا اور پھر ایک دوسرے کے ساتھ رہتے رہتے ایک دوسرے جیسے ہوجائیں گے، مرد کا اثر عورت پر آئے گا اور عورت کا اثر مرد پر آئے گا، تو معلوم ہوا کہ میاں بیوی کو بھی اچھا ہونا چاہئے اور اس کے ساتھ ماں باپ کو اچھا ہونا چاہئے کہ ان کی صحبت میں بچے رہتے ہیں۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو ماں کی گود میں ہوتا ہے اور اس کے بعد باپ کے ساتھ رہنا ہوتا ہے، ماں باپ اچھے ہوں گے تو بچہ اچھا پروان چڑھے گا، اس کی تربیت صحیح ہوگی، باپ کے لئے بچوں کی تربیت کی فکر کو ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر بتایا گیا ہے پھر اگر اچھے دوست ہوں گے تو ان کی اچھائی منتقل ہوگی۔ جو صحبت میں جتنا کامل ہوگا اس کی نسبت اتنی ہی قوی ہوگی اور تندرستی کے اعتبار سے جو جتنا کامل ہوگا اس کا بچہ اتنا ہی تندرست ہوگا۔ دونوں چیزیں ایسے ہی ساتھ چلتی ہیں۔ تو روحانی

اعتبار سے جو اللہ کے نیک بندے ہیں اگر آپ ان کی صحبت میں رہیں گے تو ان کی صحبت کے اثرات پڑ کر رہیں گے۔ (نیک صحبت کی ضرورت، ص 12)

روح ایک غیر مادی شئ ہے

علّامہ آلوسی البغدادی ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

وقال غير واحد :معنى كون الروح من امره تعالىٰ انه من الابداعيه الكائنه بالامر التكوينى من غير ماتحصل من مادة وتولدمن اصل كالجسد الانسانى فالمراد من الامر واحد الا وامر اعنى كن والسئوال عن الحقيقة والجواب اجمالى ومآله ان الروح من عالم الارض مبد عة من غير مادة لامن عالم الخلق وهو من الاسلوب الحكيم كجواب موسىٰ عليه السلام سئوال فرعون اياه :ما رب العالمين اشارة الى كنه حقيقته ممالايحيط به دائرة ادراك البشر۔ (روح المعانی، ج،۹،ص،۲۲۲)

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ: روح کا امر الٰہی سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مادہ کے علاوہ خدا کے امر تکوینی کے ذریعہ سے وجود میں آنے والی مخلوق ہے اور جسد انسانی کی طرح اس کی بھی اصل ہے، بس امر سے مراد اوامر الٰہی میں سے ایک امر ہے یعنی ''امر کن'' اور سوال روح کی حقیقت سے متعلق ہے اور جواب بالکل مختصر ہے۔

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ روح کا تعلق عالم ارض سے ہے مگر وہ غیر مادی شئ ہے عالم خلق کے علاوہ اور یہ اللہ کی طرف سے حکیمانہ جواب ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو حکیمانہ جواب دیا تھا، جب اس نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ رب العالمین کی

حقیقت کیا ہے، اس کے اس سوال کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے جو طریقہ جواب اختیار فرمایا تھا اس میں یہ اشارہ تھا، کہ اس کی حقیقت تک پہنچنا شعور وادراک انسانی کے احاطہ سے باہر ہے۔ ویسئلونک عن الروح، کے تحت ایک جگہ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

ویفهم من كلام بعض متاخرين الصوفية انه يمتنع الوقوف على حقيقة الروح بل ذكر هنا لبعض ان حقيقة جميع الاشياء لايوقف عليها وهو مبنى على مالا يخفى۔ (روح المعانی، ج،۹،ص ۲۲۳)

اور بعض متأخرین صوفیہ کے کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ روح کی حقیقت سے واقف ہونا محال ہے، بلکہ بعض صوفیہ کرام نے یہاں تک بھی ذکر کیا ہے کہ کلام اشیاء کی حقیقت سے واقف ہونا ممکن بھی نہیں اور وہ بھی کسی پر مخفی بھی نہیں۔

صاحب روح المعانی کی تفسیر مذکور سے یہ بات ثابت ہوئی کہ بعض اشیاء کا علم انسانوں کو دیا گیا اور بعض کو مخفی رکھا گیا، جن بعض کو مخفی رکھا گیا ان میں روح کا بھی علم ہے جس کی حقیقت صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔

اسی صفحہ پر آگے فرماتے ہیں کہ روح کے بارے میں سوالات جو آیات کریمہ سے میل نہیں کھاتے تاہم جواب مذکور اگر صحیح مان بھی لیا جائے تو وہ دو وجہوں سے مناسب ہوسکتا ہے۔

الاول ان يكون سئوالاعن الماهية والثانى كونه سئوالا عن القدم والحدوث وحاصل الجواب على الاول انها جو هربسيط مجرد ومحدث بامرالله تعالى وتكوينة وتايثره افادة الحياة للجسد ولا يلزم من عدم العلم بحقيقة المخصوصة فان اكثر حقائق الاشياء ماهيا تها مجهوله ولم يلزم من كو نها مجهولة نفيها ويشير اليه وما اوتيتم من العلم الا قليلا ۔ومبنى هذا ايضاً

الفرق بين عالم الامر وعالم الخلق وقد سمعت مافيه وحاصل الجواب على الثانى انه حادث حصل بفعل الله تعالىٰ وتكوينة وايجاده وجعل قوله تعالىٰ وما اوتيتم من العلم الا قليلا ۔ احتجاجا على الحديث بمعنى ان الارواح فى مبداالفطرة تكون خالية عن العلوم والمعارف ثم يحصل فيها ذالک فلا تزال فى تغير من حال الى حال وهومن امارات الحدوث۔(روح المعانی،ج،۹،ص،۲۲۳)

اول یہ کہ یہ سوال ماہیت کے بارے میں ہواور ثانی یہ کہ سوال حادث اورقدیم ہونے کے بارے میں ہو، پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ روح جوہر بسیط مجرداورامروتکوین الٰہی سے پیدا ہونے والی چیز ہے۔

اوراس کی تاثیر جسم کو حیات کا فائدہ پہونچانا ہے، اوراس سے علم کی مخصوص حقیقت سے عدم واقفیت کی بات لازم نہیں آتی ، اس لئے کہ اکثر اشیاء کی حقیقتیں مجہول ہیں اوران کے مجہول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی نفی کر دی جائے اسکی طرف آیت وما اوتيتم من العلم الا قليلا بھی اشارہ کرتی ہے۔اوراس کا مبنیٰ بھی عالم امراور عالم خلق کے درمیان فرق پر ہے۔

اور دوسری توجیہ کا حاصل جواب یہ ہے کہ روح حادث ہے فعل الٰہی اوراس کی تکوین وایجاد سے وجود میں آتی ہےاورمذکورہ آیت کریمہ کوروح کے حادث ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور وہ اس طرح کہ روحیں ابتداءفطرت میں علوم ومعارف سے خالی ہوتی ہیں۔پھر ایک عرصہ کے بعد ان میں علم میں آتا ہے،لہذا یہ مسلسل ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بڑھتی رہتی ہے،اوریہی حادث ہونے کی علامات میں سے ہے۔

راقم السطور کے یہاں بھی علامہ آلوسیؒ کی یہ تشریح قابل فہم واعتنا ہے کہ روح حادث ہی ہے، اسی جلد میں صفحہ نمبر ۲۲۷ پر رقم طراز ہیں کہ:

وذهب آخرون منهم حجة الاسلام الغزالی الی الحدوث بعد، ومن ادلة ذالک کما قال ابن القیم الحدیث الصحیح :

ان خلق ابن آدم یجمع فی بطن امة اربعین لومادما ثم یکون علقة مثل ذالک ثم یکون مضغه مثل ذالک ثم یر سل الیه الملک فینفخ فیه الروح ۔ووجه الاستدلال ان الروح لوکان مخلوقا قبل لقیل ثم یر سل الیه الملک بالروح فید خله فیه وصرح فی روضة المحبین ونزمة المشتاقین باختیار هذالقول فقال ان القول بان الارواح خلقت قبل الاجساد قول فاسد وخطا صریح والقول الصحیح الذی دل علیه الشرع والعقل انها مخلوقة مع الاجساد وان الملک ینفخ الروح ای یحدثه بالنفخ فی الجسد اذا مضی علی النطفة اربعة اشهرودخلت فی الخامس ومن قال انها مخلوقة قبل فقد غلط واقبح من قال انها قدیمة انتهی۔

اس عبارت میں روح اور جسم کی تقدیم وتاخیر کا ذکر کیا گیا ہے، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں بعض حضرات نے روح کو جسم پر مقدم کہا گیا ہے اور انھوں نے مشہور حدیث سے استدلال کیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا ہے۔لیکن ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی سند ضعیف ہے، پھر آگے امام صاحب لکھتے ہیں بعض حضرات اس بات کی طرف گئے ہیں ان میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں کہ روح جسم کے بعد پیدا ہوئی، ان حضرات کی دلیل

میں خود امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح حدیث پیش فرمائی ہے کہ: بلا شبہ اولا د آدم کی تخلیق کا پہلا مرحلہ ۴۰ چالیس روز کا ہے کہ وہ مادر شکم میں چالیس دن تک بشکل خون رہتا ہے۔

چالیس روز کے بعد خون کا لوتھڑا ہوتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد گوشت کا ٹکڑا بنتا ہے، پھر اس کے پاس فرشتہ کو بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور وجہ استدلال یہ ہے کہ روح اگر جسم سے پہلے پیدا ہوتی تو حدیث میں ،قبل کا لفظ آتا اور اس کی وضاحت اس حدیث میں ہوتی اور یہاں حدیث میں اس بات کی بھی وضاحت ہوتی کہ آدمی کو پیدا کیا پھر ساتھ ساتھ فرشتے کو بھیج کر اس میں روح ڈالی گئی ،لیکن ایسا کچھ بھی نہیں کہا اور روضۃ المحبین اور نزہۃ المشتاقین میں اسی بات کی صراحت کی گئی ہے کہ ارواح کا اجسام سے قبل پیدا ہونا صریح فاسد اور غلط ہے۔اور صحیح قول وہی ہے جو شریعت نے بتائی ہے اور عقل نے بھی تسلیم کیا ہے کہ روح جسم کے ساتھ پیدا ہوئی ہے، اور یہ کہ فرشتہ روح پھونکتا ہے یعنی جسم میں پھونک کر پیدا کرتا ہے جب نطفہ پر چار ماہ گذر کر پانچواں مہینہ آجاتا ہے اور جنہوں نے روح کی تخلیق کو جسم پر مقدم مانا ہے وہ صریح غلطی پر ہیں اور اس سے بری بات اس کی ہے جس نے روح کو قدیم مانا ہے۔ (روح المعانی، ج،۹،ص ۲۲۶)

روح اور نفس ایک ہی چیز ہیں یا علیحدہ چیزیں

روح اور نفس کے سلسلہ میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا دونوں ایک ہی چیز ہیں یا دو چیزیں؟

علّامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں ایک جگہ فرماتے ہیں: ابن زید نے

روایت کی ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی شئ ہیں، کیونکہ احادیث میں ایک کا اطلاق دوسرے پر بالکل صحیح ثابت ہے، اور بزار نے سند صحیح کے ذریعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ:

ان المؤمن ینزل به الموت ویعاین مایعاین یود لو خرجت نفسه واللہ تعالیٰ یحب تقاءه وان المؤمن تصعد روحه الی السماء فتاتیه ارواح المؤمنین فیستخبرونه معارفه من اهل الدنیا۔ (الحدیث ظاہر فی ذالک)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ بلاشبہ مؤمن کو موت پیش آتی ہے اوراس کی مدد کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، اس کی تمنا ہوتی ہے کہ کاش کہ اس کا نفس (یعنی روح) بدن سے نکل جائے اور خود اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا چاہتے ہیں اور بلاشبہ مؤمن کی روح آسمان پر چڑھتی ہے تو اس کے پاس مومنین کی روحیں آتی ہیں اوراس سے دنیا کے بارے میں معلوم کرتی ہیں۔

اس سلسلہ میں حدیث بالکل ظاہر ہے۔

روح المعانی جلد ۹، صفحہ، ۲۲۷ پر ہے۔

وقال ابن حبیب هما شیئان فالروح هو النفس المترددفی الانسان والنفس امر غیر ذالک لها یدان ورجلان وراس وعینان وهی التی تلتذ وتالم وتفرح وتحزن وانها هی التی تتوفی فی المنام وتخرج وتسرح وتری الرؤیا ویبقی الجسد دونها بالروح فقط لا یلتذ ولا یفرح حتی یعود واحتج بقوله تعالیٰ (اللہ یتوفی الانفس) وحکی ابن منده عن بعضهم ان النفس ظینیة ناریة والروح نوریة روحانیة ،وعن آخران النفس ناسوتیة والروح لاهوتیة وذکران اهل الاثر علی المغایرة۔

اورنفس کا انتظام وقیام روح سے وابستہ ہے اورنفس نام بندہ کی صورت کا ہے جوشہوت وخواہش کا حامل ہے اور بلاء اس کا معجون ہے اورانسان کیلئے نفس سے بڑا کوئی دشمن نہیں اسے صرف دنیا چاہئے اوراسے دنیا سے محبت ہے۔

اور محققین صوفیاء کے ظاہری کلام سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، چنانچہ صاحب منتہی المدارک محقق فرغانی کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ نفس اس قلب صنوبری سے نکلنے والے بھاپ کو کہا جاتا ہے جوانسان کی زندگی کو قوت حیات عطا کرتا ہے، جو پیدا ہوتا ہے روح اورروحانیت کے اثر سے اوریہی وہ تعریف ہے جومراد ہے، اللہ تعالیٰ کے قول: **و نفخت فیہ من روحی** سے۔اورکئی حضرات سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ تعریف وہی ہے جس کے صوفیاء بھی قائل ہیں،لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان دراصل نفس کا ہی نام ہے چنانچہ جب نفس مجاہدہ اور ریاضت اوردیگراذکاروغیرہ سے چمک جاتا ہےتو پھروہ نفس روح بن جاتا ہے۔پھر بتدریج ترقی کرتے کرتے اسرارالٰہی میں سےایک اللہ کا سرخاص ہوجاتا ہے۔

وآن قوام النفس بالروح والنفس صورۃ العبد والھوی والشھوۃ والبلاءمعجون فیھا ولاعدوی اعدی لابن آدم من نفسہ لاترید الاالدنیا ولاتحب الاایاھا۔

وظاهر كلام بعض محققى الصوفية القول بالمغايرة ففى منتهى المدارك للمحقق الفرغانى ان النفس المضافة الى الانسان عبارة عن بخار خالى منيعث من باطن القلب الصنوبرى حامل لقوة الحياة متجنس باثرالروح الروحانية المرادة بقوله تعالىٰ ونفخت فيه من روحى۔

وذكر غير واحد انه هو الذى عليه الصوفية بيد انهم قالوا ان النفس هى الاصل فى الانسان فاذا صقلت بالرياضة وانواع الذكر والفكر صارت روحا ثم قدتترقى الى ان تصير سرامن امن اسرار اللہ تعالىٰ۔ (روح المعانی جلد،9 صفحہ،227)

ابن حبیب فرماتے ہیں: نفس اور روح دوالگ الگ شئ ہیں، روح تو اس سانس کو کہتے ہیں جوانسان کے اندر آتی جاتی ہے اور نفس اس کے علاوہ دوسراامر ہے، نفس کے دو ہاتھ ہیں اور دو پیر ہیں، سر ہے، اور دو ٹانگیں ہیں اور نفس کولذت وتکلیف، خوشی اور غم ہوتا ہے اور نیند میں وہی جدا ہوتا ہے، اور وہی نکلتا ہے، اور وہی جاتا ہے اور خواب وغیرہ دیکھتا ہے اور جسم اس سے الگ روح کیساتھ رہتا ہے نہ وہ لذت حاصل کرتا ہے نہ خوش ہوتا ہے، یہاں تک کہ نفس واپس آئے ،اور انہوں نے استدلال کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے قول (اللّٰهُ يَتَوَفيَّ الانفُسَ) سے ابن مندہ بعض علماء سے نقل کرتے ہیں کہ: نفس خاکی ناری ہے، اور روح نوری وروحانی ہے، اور بعض دوسرے علماء کہتے ہیں کہ نفس ناسوتی ہے اور روح لاہوتی اور اہل حدیث نے ذکر کیا ہے کہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں سے۔

روح مرے گی یانہیں

صاحب روح المعانی صفحہ ۲۲۹ پر لکھتے ہیں: **اختلف الناس فی الروح هل تموت ام لا فذهبت طائفة الی نها تموت لا نها نفس و کل نفس ذائقة الموت و قد دل الکتاب علی انه لا یبقی الا الله تعالیٰ وحده وهو یستدعی هلاک الا رواح کغیرها من المخلوقات و اذا کانت الملائکة علیهم السلام یموتون فا لا رواح البشریة اولیٰ و ایضا اخبر سبحانه و تعالیٰ عن اهل النار انهم یقولون ۔امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین ۔**(سورۃ الغافر آیت، 11)

ترجمہ: روح کے سلسلہ میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ مرے گی یا

نہیں؟ ایک جماعت کہتی ہے مرے گی نہیں اس لئے کہ یہ نفس ہے، اور نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور کتاب اللہ سے بھی یہ ثابت ہے اللہ کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہے گا، اور جب یہ عقیدہ برحق ہے تو اس کا اقتضاء یہی ہے کہ ساری روحیں ختم ہو جائیں جیسے دیگر مخلوقات ختم ہو جائے گی اور جب فرشتے بھی مر جائیں گے تو انسان کو بدرجہ اولیٰ مرنا ہوگا، نیز اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اہل جہنم کے بارے میں فرمایا کہ وہ کہیں گے یا اللہ تو نے ہمیں دوبار مارا اور دوبار جلایا۔

و لا تحقق الاماتتان الا باماتة البدن مرة و اماتة الروح اخری و قالت طائفة انها تموت للاحادیث الدالة علی نعیمها و عذابها بعد المفارقة الی ان یرجعها اللہ تعالیٰ الی الجسد و ان قلنا بموتها لزم انقطاع النعیم و العذاب و الصواب ان یقال موت الروح هو مفارقتها الجسد فان ارید بموتها هذا القدر فنهی ذائقة الموت و ان ارید انها تعدم و تضمحل فهی لا تموت بل تبقی مفارقة ماشاءاللہ ثم یعود الی الجسد و تبقی معه فی نعیم او عذاب ابدالآبدین و دالداهرون۔

اور دو موتیں جب ہی ثابت ہوں گی ایک مرتبہ بدن کو موت واقع ہو اور ایک مرتبہ روح کو۔ ایک جماعت کہتی ہے روح کو موت آئے گی اور اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں روح کے عذاب و آرام کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جسم سے جدا ہونے کے بعد اس کو عذاب یا آرام ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کو جسم لوٹا دے، اور اگر ہم کہیں کہ روح مر جائیگی تو اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ روح کو نہ عذاب ہوگا نہ آرام ملے گا حالانکہ درست اور صحیح بات یہی ہے کہ روح کی موت اس کا جسم سے جدا ہونا ہے پس اگر اس کی موت سے اتنی ہی مقدار مراد لی جائے تو وہ موت کا مزہ چکھنے والی کہلائے گی اور اگر یہ مراد لیا جائے کہ روح معدوم اور

مضمحل ہوتی ہے تو وہ مرتی نہیں بلکہ جدا ہو کر زندہ رہتی ہے، جتنا اللہ چاہے پھر وہ روح دوبارہ جسم میں آجاتی ہے اور جسم کے ساتھ عذاب وراحت میں رہتی ہے ہمیشہ ہمیش کیلئے۔

بدن سے جدا ہونے کے بعد روحوں کے درمیان امتیاز

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں :نص ابن القیم علی ان کل روح تاخذہ من بدنها صورة تتمیز بها عن غیرها وان تمایز الارواح اعظم من تمایز الابدان الا انه زعم انه لا یمکن التمایز بینها علی القول بانها جوهر مجرد عن المادہ وفیه نظر فان القائلین بذالک قائلون بالتمایز ایضا باعتبار ماحصل لها من التعلق بالبدن اوینجحو آخر من التمایز وذکر الشیخ ابراهیم الکورانی فی بعض رسائله ان الارواح بعد مفارقتها المخصوصة متعلق بابدان آخر مثالیة جسما بلیق بها،والیٰ ذالک الاشارة بالطیر الخضر فی حدیث الشهداء ففی صحیح مسلم عن ابن مسعود ان ارواح الشهداءفی اجواف طیور خضر،واخرج سعید بن منصور عن مکحول عن النبی ﷺ ان ذراری المؤمنین ارواحهم فی عصافیر فی شجر فی الجنة ای انها تکون فی ابدان علی تلک الصور،ویؤکل ذالک روایة ابن ماجة عن ابن مسعود ارواح الشهداء عند اللہ تعالیٰ کطیر خضر۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ ہر روح اپنے بدن سے اپنی خاص شکل بناتی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسری روحوں سے ممتاز ہو جاتی ہے اور روحوں کا ممتاز اور الگ ہونا بدن کے افتراق وامتیاز سے بھی بڑی بات ہے،لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ روحوں کے درمیان یہ امتیاز جو ہر مجرد کی حقیقت سے نہیں ہے۔

علّامہ آلوسی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لیکن ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ قابل غور وتحقیق ہے۔اس لئے کہ جو اس عقیدہ کے قائلین ہیں ان کے یہاں بھی مسلم ہے کہ

روحوں کے درمیان امتیاز کا یہ معاملہ اس حقیقت سے ہے کہ ان کا بدن سے تعلق ہوتا ہے یا اس جیسی کسی اور چیز سے اور شیخ ابراہیم کورانی نے اپنے بعض رسائل میں اس بات کو ذکر کیا ہے کہ روحیں اپنے مخصوص بدن سے جدا ہنے کے بعد دوسری مثالی جسموں سے متعلق ہوجاتی ہیں جو ان کیلئے مناسب ہوں اور اسی کی طرف حدیث شہداء میں طیر خضر کی جانب اشارہ ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مسلمانوں کے بچوں کی روحیں چڑیوں کے پوٹوں کے اندر رہوں گی جنت کے درختوں میں۔

یعنی وہ روحیں ان صورتوں میں بدنوں میں ہوں گی، اس کی تائید ابن ماجہ کی ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی طرح اللہ کے یہاں ہوتی ہیں۔

علّامہ آلوسی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: **الذی دلت علیہ الاخبار ان مستقر الروح بعد المفارقة مختلف، فمستقر ارواح الانبیاء علیهم السلام فی اعلی علین وصح ان آخر کلمة تکلم بها النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللهم الرفیق الاعلیٰ۔ وهو یؤیدماذکر و مستقر ارواح الشهداء فی الجنة تردمن انهارها وتاکل من ثمارها وتاوی الی قنادیل معلقة بالعرش، وروی فی ارواح اطفال المؤمنین ماهو قریب من ذالک، وروی ابن مالک عن کعب قال: جنة الماوی جنة فیها طیر خضر ترعی فیها ارواح الشهداء علی بارق نهر بباب الجنة فی قبة یخرج علیهم رزقهم من الجنة بکرة وعشیا، وامامستقر ارواح سائر المؤمنین فقیل فی الجنة ایضا وهو نص الامام الشاهی وقد اخرج الامام مالک عن کعب ابن مالک مرفوعا انما نسمة المؤمن طائر یعلق فی شجر الجنة حتی یرجعه اللہ تعالیٰ فی جسده حین یبعثه۔**

وروی ابن منده حدیث ام بشر مرفوعا هو نص فی ان مستقر ارواح المؤمنین نحو

مستقر ارواح الشهداء وقال وهب ابن منبه :ان لله تعالىٰ فی السماء السابعة دار يقال لها البیضاء يجتمع فيها ارواح المؤمنين و مستقر ارواح الكفار فى سجين ،وفى حديث ام بشر ان ارواح الكفار فى حواصل طير سود تاكل من النار و تشرب من النار و تاوى الىٰ جحر فى النار يقولون ربنا لا تلحق بنا اخواننا و لا تؤتنا ما وعدتنا ،وقيل مستقر ارواح الموتىٰ افنية قبورهم واستدل له بعضهم بحديث عمر عن النبی ﷺ ،اذامات احدكم عرض عليه مقعده بالغداة والعشى ان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان كان من اهل النار فمن اهل النار يقال هذا مقعدک حتى يبعثک الله تعالىٰ وبانه ﷺ حين زار الموتىٰ قال السلام عليكم دار قوم مؤمنين ۔(روح المعانی ص/232)

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ روحوں کے بدن سے نکلنے کے بعد ان کے ٹھکانے مختلف ہیں۔
انبیاء علیہم السلام کی ارواح کا ٹھکانہ اعلیٰ علیین میں ہے اور صحیح روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا آخری کلمہ جو زبان مبارک سے جاری ہوا تھا وہ **اللھم الرفیق الاعلی**،تھا یہ حدیث مذکورہ دلیل کی تائید کرتی ہے۔

اور شہدا کی روحوں کا ٹھکانہ جنت ہے جن کی نہروں سے یہ روحیں آتی ہیں اور ان کی پھل کھاتی ہیں اور عرش سے معلق قندیلوں میں ان کا ٹھکانہ ہوجاتا ہے اور مومنین کے بچوں کی روحوں کے ٹھکانے کے متعلق بھی قریب قریب یہی ہے ،اور ابن مبارک نے کعب سے روایت کی ہے جنت الماویٰ وہ جنت ہے جس میں سبز پرندے جہاں شہداء کی روحیں چرتی ہیں ایک نہر کے ظاہری حصہ پر جنت کے دروازہ پر سبز گنبد میں ،ان کو ان کا رزق صبح وشام بھیجا جاتا ہے اور تمام مومنین کی روحوں کا ٹھکانہ تو اس سلسلہ میں یہی ثابت ہے کہ سب جنت میں ہوں گی ،اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح ہے،اور امام مالک نے کعب ابن

مالک سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جسے جنت کے درخت میں لٹکا دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس روح کو بدن میں لوٹا دیں گے، اور ابن مندہ نے ام بشر کی مرفوع حدیث روایت کی ہے جو اس سلسلہ میں صریح روایت ہے کہ مومنین کی روحوں کا ٹھکانہ شہداء کی روحوں جیسا ہے، اور وہب ابن منبہ فرماتے ہیں: بلا شبہ ساتویں آسمان میں ایک گھر ہے جس کا نام بیضاء ہے اسی میں مومنین کی روحیں جمع ہوتی ہیں، اور کفار کی روحوں کا ٹھکانہ سجین ہے۔

اور ام بشر کی روایت میں حدیث ہے کہ کفار کی روحیں کالے پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں، آگ سے وہ کھاتی ہیں اور آگ ہی پیتی ہیں اور جہنم کا ایک سوراخ ان کا ٹھکانہ ہے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے ہماری بھائیوں کو نہ ملا اور جو آپ نے ہم سے وعدہ کیا ہے وہ ہمیں نہ دے اور بعض حضرات کہتے ہیں: مردوں کی روحوں کا ٹھکانہ قبرستان کے صحن ہیں اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: جب تم میں کوئی مرتا ہے تو صبح وشام اس پر اس کا ٹھکانہ جنت یا جہنم میں پیش کیا جاتا ہے اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو جنت پیش کیا جاتا ہے اور اگر اہل جہنم میں سے ہوتا ہے تو جہنم اور کہا جاتا ہے قبر سے نکلتے وقت تک تمہارا یہی ٹھکانہ ہے، اور اس سے بھی یہی استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مردوں کی زیارت فرماتے تو فرماتے السلام علیکم دار قوم مومنین۔

روح کی چار قسمیں

صاحب روح المعانی رقمطراز ہیں:

والنسفی جعل الارواح علی اربعه: اقسام فی بحر الکلام ارواح الانبیاء علیهم

السلام تخرج من جسدها ویصیر مثل صورتها مثل المسک والکافور ،وتکون فی الجنة تاکل وتشرب وتتنعم وتاوی باللیل الی قنا دیل معلقه تحت العرش ،وارواح الشهداء تخرج من جسدها وتکون فی اجواف طیر خضر فی الجنة تاکل وتتنعم وتاوی الی قنادیل کا رواح الانبیاء علیهم السلام وارواح المطعین من المؤمنین بربض الجنة لاتاکل ولا تتمتع ولکن تنظر الی الجنة وارواح العصاة منهم تکون بین السماء والارض فی الهواء واما ارواح الکفار ففی سجین فی جوف طیر سود تحت الارض السابعة وهی متصلة باجسادها فتعذب الارواح وتتالهم من ذالک الاجساد۔

واخرج ابن ابی الدنیا مالک قال :بلغنی ان الروح مرسلة تذهب حیث شاءت وهوا ن صح لیس علی اطلاقة۔ (روح المعانی ،جلد ۹،ص، ۳۴، ۲۳۳)

اورنسفی نے بحر الکلام میں روح کی چار قسمیں بتائی ہیں (۱) انبیاء علیہم السلام کی روحیں، جو اپنے اجسام سے نکلتی ہیں، اور ان کی شکلوں کے نقشے مشک وکافور کی شکل جیسی ہوجاتی ہیں، اور یہ روحیں جنت میں کھاتی پیتی اور راحت پاتی ہیں اور رات میں عرش کے نیچے جو قندیلیں معلق ہیں ان میں ان کا ٹھکانہ ہوتا ہے۔

(۲) اور شہداء کی روحیں اپنے اجسام سے نکل کر سبز پرندوں کے پوٹوں میں جنت میں ہوتی ہیں، جہاں وہ کھاتی پیتی اور آرام کرتی ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کی روحوں کی طرح عرش کی قندیلوں میں اپنا ٹھکانہ بناتی ہیں۔

(۳) مومنین کی روحیں جنت کے باڑھ میں ہوتی ہیں نہ کھاتی ہیں نہ فائدے اٹھاتی ہیں لیکن جنت کا نظارہ کرتی ہیں۔

(۴) اور گناہگاروں کی روحیں آسمان وزمین کے درمیان ہواء میں ہوتی ہیں۔

اب رہا معاملہ کفار کا تو ان کی روحیں سجین میں کالے پرندوں کے پوٹوں میں ساتویں زمین کے نیچے اپنے جسموں کے ساتھ ملی ہوتی ہیں، جہاں ان کی روحوں کو عذاب ہوتا ہے اور اس عذاب سے جسموں کو تکلیف ہوتی ہے۔

آگے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: ابن ابی الدنیا حضرت مالکؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مجھے جہاں تک علم ہے وہ یہ کہ روح کو چھوڑ دیا جاتا ہے، جہاں چاہے جائے اگر یہ بات صحیح ہے اور یہ روایت درست ہے تو پھر یہ ارسال و آزادی مطلق نہیں بلکہ مقید ہے۔

بعض روحیں اللہ کے حکم سے لوگوں کے سامنے ظاہر ہوجاتی ہیں

صاحب روح المعانی صفحہ نمبر ۲۳۵ پر ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

وللروح مع ذالک احوالا واطوارا لا یعلمها الاالله تعالیٰ فقد تکون مستغرقة بمشاهدة جمال الله تعالیٰ وجلاله ونحو ذالک وقد تصحو عن ذالک الاستغراق وهو المرادبردالروح فی خبر: مامن احدیسلم علی الا رد الله روحی فارد علیه السلام۔

والذی ینبغی ان یعول علیه مع ما ذکر ان الارواح وان اختلف مستقرها بمعنی محلها الذی اعطیته بفضل الله تعالیٰ جزاء علیها لکن لها جولا نافی ملک الله تعالیٰ حیث شاء جل جلاله ولا یکون الا بعد الاذن وهی متفاوتة فی ذالک حسب تفاوتها فی القرب والزلفی من الله تعالیٰ حتی ان بعض الارواح الطاهرة لتظهر فیرها من شاءالله تعالے من الاحیاء یقظة وان ارواح الموتی تتلافی وتتزاور وتتذاکر وقد تتلاقی ارواح الاموات والاحیاء مناما ولا ینکر ذالک الا من یجعل الرؤیا خیالات لا اصل لها وذالک لا یلتفت الیه لکن لا ینبغی ان یبنی ذالک حکم شرعی لا حتمال عدم الصحة وان قامت قرینة علیها۔ (روح المعانی، ج۹، ص،۲۳۵)

ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ روح کے کچھ دیگر احوال واطوار بھی ہیں جنہیں صرف

اللہ ہی جانتے ہیں، کبھی تو وہ اللہ کے جمال کے مشاہدہ میں مستغرق ومشغول ہوتی ہے اور کبھی اس استغراق سے نکل کر باہر آجاتی ہے، اور حدیث میں جو روح کے لوٹائے جانے کی بات کہی گئی ہے، اس سے مراد یہی استغراق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرامایا: جو کوئی بھی مجھے سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سلام کا جواب دینے کیلیئے میری روح کو لوٹا دیتا ہے، چنانچہ میں اس کے سلام کا جوب دیتا ہوں۔

اور پچھلے جتنے بھی مضامین روحوں کے ٹھکانوں سے متعلق ذکر کیئے گئے ہیں ہر روح کا الگ الگ ٹھکانہ ہے اپنے اعمال کے اعتبار سے لیکن روحوں کیلیئے سیر وسفر کی بھی اللہ کی حکومت میں ایک حیثیت ہے، جہاں چاہے جائے آئے تاہم یہ طاقت وصلاحیت روح کو اللہ کے حکم سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

اور روحوں کے سیر وتفریح کے درجات قرب ووصل الٰہی کے لحاظ سے مختلف اور الگ الگ بھی ہیں، یہاں تک کہ بعض پاک روحیں لوگوں کے سامنے ظاہر ہوجاتی ہیں، جنہیں اللہ کے نیک بندوں میں سے بعض حضرات اللہ کی مرضی وحکم سے دیکھ لیتے ہیں، اور مردوں کی روحیں آپسمیں ملاقات کرتی ہیں زیارت کرتی ہیں اور آپسمیں میں تبادلہ خیالات بھی کرتی ہیں اور کبھی کبھی زندوں اور مردوں کی روحیں خوابوں میں بھی ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں، اور اس کا انکار وہی شخص کرسکتا ہے جو خوابوں کو محض بے اصل خیالات گردانتا ہے، اور یہ غیر قابل توجہ ہے، تاہم اس پر کسی حکم شرعی کی بنیاد قائم کرنا بھی مناسب نہیں اسلیئے کہ اس میں عدم صحت کا بھی احتمال ہے چاہے اس کی صحت پر کوئی خاص قرینہ اور دلیل کیوں نہ ہو۔

روح کا بدن کے کسی خاص جز سے نہیں بلکہ تمام اجزائے بدن سے اس کا تعلق ہوتا ہے چاہے ایک جز مشرق میں ہو اور ایک جز مغرب میں

قال الامام العلامة آلوسی البغدادی: ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزء دون جزء بل هی متصلة مشرفة علی سائر اجزائه وان تفرقت وکان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب ولعل هذا الاستغراق علی الاجزاء الاصلیة لانها التی یقوم بها الانسان من قبره یوم القیامة علی ما اختاره جمع واعلم ایضاً ان الروح علی القول یتبحر دها لا مستقر لها بل لا یقال انها داخل العالم او خارجة کما سمعت وانما المستقر حینئذ للبدن الذی تعلق به وقد نص بعض الصوفیة علی انه لامانع من ان تتعلق نفس ببدنین فاکثر بل هو واقع عندهم وذکر بعضهم ان احد البدنین هو البدن الاصلی والآخر مثالی یظهر للعیان علی وجه خرق العادة ،وقال آخر وان الآخر من باب تطور الروح وظهورها بصورة دحیه الکلبی وظهور القرآن لحافظ بصورة الرجل الشاحب یوم القیامة وعلی ما ذکره الصوفیة یجوز ان تتعلق الروح ببدن فی الجنة وببدن آخر حیث ماشاء اللہ بل یجوز ان تظهر فی صور شتی فی اماکن متعددة علی حد ما قالوه فی جبرئیل علیه السلام انه فی حال ظهوره فی صورة دحیة او اعرابی غیره بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم یفارق سدرة المنتهی۔ (روح المعانی، ج،۹، ص،۲۳۶)

پھر اس بات کو جان لو کہ روح کا بدن سے اتصال و تعلق کسی ایک جز میں نہیں بلکہ جسم کے تمام اعضاء پر مسلسل روح کی روشنی پڑتی رہتی ہے، چاہے جسم کا ایک جز مشرق میں ہو اور ایک مغرب میں۔ ہر ہر جز پر روح کا اثر ہوتا ہے، اور یہ اجزاء پر روشنی اور اثر ڈالنے کا عمل روح کی جانب سے جسم کے تمام اصلی اجزاء پر ہوتا رہتا ہے، اسلئے کہ انہی اجزاء کے ذریعہ انسان قیامت کے روز قبروں سے اٹھے گا اسی کو جمہور نے پسند کیا ہے، اور یہ بات بھی

یاد رکھنی چاہئے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ خالی روح کا کوئی ٹھکانہ نہیں، بلکہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ عالم میں داخل ہے یا اس سے خارج ہے جیسا کہ تم نے سنا ہاں البتہ اس وقت روح کا مستقر اس بدن سے ہوتا ہے جس سے اس اک تعلق ہوتا ہے۔

جبکہ بعض صوفیاء نے یہ بھی صراحت کیا ہے کہ اس میں کوئی مانع نہیں کہ نفس دو جسموں سے تعلق رکھے یا اس سے زیادہ سے بلکہ ان کے نزدیک ایسا ثابت بھی ہے، اور بعض حضرات بیان کرتے ہیں دو جسموں میں سے ایک اصلی ہے، اور دوسرا مثالی جو لوگوں کے سامنے منظر عام پر خلاف عادت ظاہر ہوتا ہے، بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ دوسرا بدن روح کی ترقی و پرواز اور اس کے ظہور کے باب سے ہے ایسی صورت میں جس کی مثال دحیہ کلبی کی شکل میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ظاہر ہونا ہے، اور قرآن کا ظہور حافظ قرآن کیلئے قیامت کے روز بشکل متغیر اللّون شخص کے ہے۔

نوٹ: ہاویہ: جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ہاویہ ایسا غار ہے جس کی گہرائی سے سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں۔ قتادہ نے کہا: امہٗ ھاویۃٌ (اُس کی ماں گرنے والی ہے) عربی کا ایک محاورہ ہے، جب کوئی شخص کسی سخت مصیبت میں پڑ جاتا ہے تو کہتے ہیں: ھوت امہٗ: اس کی ماں گر گئی۔ بعض نے کہا کہ امّ سے مراد ہے سر یعنی وہ سر کے بل دوزخ میں گریں گے۔ بغوی نے کہا: اسی تفسیر کی جانب قتادہ اور ابو صالح گئے ہیں۔

روح میں کتنے علوم پائے جاتے ہیں

کچھ کے نزدیک روح میں تمام علوم پائے جاتے ہیں: لیکن اسے عالم کی مصروفیتوں

نے ان کے مطالعہ سے روک رکھا ہے، پھر جب نیند کی وجہ سے روح آزاد ہو جاتی ہے تو اپنی صلاحیت کے مطابق ان میں سے کسی بات کا مشاہدہ کر لیتی ہے، اور چونکہ موت سے پوری آزادی مل جاتی ہے اس لئے اب روح کے علوم ومعارف بھی کمال پر پہنچ جاتے ہیں، مگر یہ بات کچھ ٹھیک بھی ہے اور کچھ غلط بھی، کیونکہ روح کی آزادی روح کو ان علوم ومعارف سے خبردار کرتی ہے، جس پر آگاہی بغیر آزادی کے مشکل ہے لیکن اگر روح پوری طرح آزاد ہو جائے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے اس علم پر مطلع نہیں ہو سکتی جسے اس نے اپنے رسولوں کو عطا فرما کر مبعوث فرمایا ہے، اور نہ ان تفصیلات پر جن کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے، یعنی برے کاموں پر، اچھے ناموں پر، صفات وافعال پر، جبکہ شریعت کی تمام جزئیات پر آگاہ نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ تمام باتیں وحی سے معلوم ہوتی ہیں، ہاں روح کی آزادی ان باتوں کی پہچان پر روح کی مددگار ضرور بن جاتی ہے، لیکن انہیں بدن کی مصروفیات میں دبی ہوئی روح کے حاصل کردہ معلومات کی بہ نسبت ان کے معدن سے حاصل کرنا زیادہ آسان، قریب اور کثرت سے ہے۔

کچھ کے نزدیک خواہ وہ علم ہے جن کو اللہ کے بغیر کسی سبب کے نفس انسانی میں شروع میں پیدا فرما دیا ہے، یہ بیان ان کا ہے جو اسباب وحکمتوں کے قائل نہیں مگر شریعت فطرت اور عقل کے مخالف ہے۔

اللہ تعالیٰ بندے کی صلاحیت کے مطابق بندے کو کوئی بات مثالی رنگ میں بتاتا ہے اس لئے کبھی تو مثال رنگ میں خواب دکھائی دیتا ہے اور کبھی جو کچھ دکھائی دیتا ہے بعینہ اس کا ظہور ہو جاتا ہے، غرض کہ خواب واقع کے مطابق اسی طرح ہوتے ہیں جیسے علم معلوم کے مطابق ہوتا ہے۔ (کتاب الروح، صفحہ ۵۹، ابن قیمؒ)

انسان کی روح خواب میں کہاں تک جاتی ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ارواح جمع شدہ لشکر ہیں اور فضا میں ملتی جلتی ہیں، پھر جن ارواح میں تعارف ہوجاتا ہے ان میں محبت ہوجاتی ہے اور جن میں اجنبیت رہتی ہے ان میں دنیا میں بھی اجنبیت ہی رہتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرمارہے تھے کہ جب انسان گہری نیند سوجاتا ہے تو اس کی روح عرش تک چڑھتی ہے، پھر جو عرش کے ورے بیدار نہیں ہوتا (اور کچھ خواب میں دیکھتا ہے) تو اس کا وہ خواب سچا ہوتا ہے، ورنہ جھوٹا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: الحمدللہ، میں نے موت سے پہلے تنیوں کا جواب پالیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: حیرانگی کی بات ہے کہ کبھی انسان خواب میں ایسی بات دیکھتا ہے جس کا اس کے دل میں ڈر بھی نہیں گزرا تھا، اور وہ خواب سچا ہوتا ہے، اور کچھ خواب کچھ بھی نہیں ہوتا، اس پر حضرت علیؓ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اللہ یتوفی الانفس**، الخ اللہ موت کے وقت بھی روحیں قبض کرلیتا ہے، اور جو فوت نہیں ہوئے ان کی ارواح نیند میں بھی قبض کرلیتا ہے پھر وہ ارواح روک لیتا ہے جن پر موت کا فیصلہ ہوچکا ہوتا ہے، اور دوسری ارواح ایک مقررہ مدت کیلئے چھوڑ دیتا ہے، جن روحوں کو نیند میں چڑھایا جاتا ہے وہ جو کچھ آسمان میں دیکھ آتی ہیں وہ باتیں درست ہوتی ہیں، پھر جب وہ اپنے جسموں کی طرف واپس آجاتی ہے تو فضاء میں انہیں شیطان مل جاتے ہیں اور ان کو جھوٹی باتیں بتاتے

ہیں، ایسے خواب جھوٹے ہیں۔(کتاب النفس والروح لابن مندہ) طبرانی میں ابن عباسؓ سے مروی بھی اسی کے ہم معنیٰ ہے، ایک کمزور روایت میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے تو اس کی روح اوپر چڑھتی ہے، یہاں تک کہ عرش کے پاس جا پہنچتی ہے، پھر اگر وہ نیک ہوتا ہے تو روح کو سجدے کی اجازت ملتی ہے ورنہ نہیں، ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ ارواح جمع کئے ہوئے لشکر ہیں اور آپس میں ملتی جلتی ہیں، پھر بعض ان میں گھوڑوں کی طرح منحوس بھی ہوتی ہیں، پھر جن ارواح میں جان پہچان ہو جاتی ہے ان میں محبت ہو جاتی ہے ورنہ اختلاف ہو جاتا ہے، لوگ پُرانے زمانے سے اب تک یہ بات جانتے ہیں اور اس کا مشاہدہ کرتے چلے آئے ہیں۔

میں دن بھر تو بے وقوف رہتا ہوں مگر رات کو خواب میں میری روح میرے محبوب کی روح سے ملاقات کر آتی ہے، (جمیل بن معمر) (کتاب الروح صفحہ ۶۱، ابن قیمؒ)

خواب میں زندہ ارواح کا اجتماع کس طرح ہوتا ہے؟

اگر کوئی کہے کہ کبھی انسان زندہ آدمی کو بھی خواب میں دیکھ لیتا ہے اور اکثر اوقات دونوں کے درمیان کافی فاصلہ ہوتا ہے ان کی ارواح کا کس طرح اجتماع ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ یا تو مثال ہوتی ہیں جسے خواب کا فرشتہ مثال کے رنگ میں پیش کرتا ہے، یا خواب دیکھنے والے کا خیال ہوتا ہے جو خواب میں اس کیلئے مجرد کر دیا جاتا ہے۔

سبقا لطیفک من زور اناک به

حدیث نفسک عنه وهو مشغول (حبیب بن اوس)

اے محبوب! اللہ تیرے تصور کو شاداب رکھے کہ مجھے اس کی بدولت تیری زیارت ہوگئی۔

تیرے قربان اے میرے خیال۔ وہ گویا روبرو ہے اور میں ہوں کبھی دو ارواح میں کوئی خاص نسبت ہوتی ہے اور دونوں کا انتہائی گہرہ اور پوشیدہ تعلق ہوتا ہے، جس کی بنا پر ہر کو اپنے ساتھی کے کچھ واقعات کا شعور ہو جاتا ہے، گو ان کا کسی غیر کو شعور نہ ہو لوگ اس سلسلہ میں عجائبات کا مشاہدہ کر چکے ہیں، جب کہ زندہ ارواح اور مردہ ارواح کا بھی اجتماع ہوتا ہے، اور زندوں زندوں ارواح کا بھی۔

مختلف علماء کا بیان ہے کہ ارواح کی آسمان میں ملاقات ہو جاتی ہے، اور تعارف ہو جاتا ہے پھر سلسلہ گفتگو چلتا ہے پھر ان کے پاس خواب کا فرشتہ وہ بھلائی یا بُرائی لے آتا ہے جو انہیں ملحق ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ نے سچے خوابوں پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیا ہے جو اکیلے اکیلے ہر شخص کو جانتا پہچانتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ہر آدمی کی حالات کی تعلیم دے دیتا ہے، وہ ہر آدمی کے آنے والے طبعی، دینی اور دنیوی انقلابات کو جانتا ہے، اور تمام تفصیلات پر بخوبی حادی ہے، کوئی جز اس سے پوشیدہ نہیں، اور نہ وہ اپنی معلومات میں غلطی کرتا ہے، اس فرشتے کو ام الکتاب (اللہ کے علم غیب) سے ان واقعات وحادثات کی تحریر مل جاتی ہے جو کسی آدمی کو پیش آنے والے ہوتے ہیں، پھر وہ انہیں اس کے سامنے محسوسات ومثالوں کے رنگ میں اس کی عادت کے مطابق ڈھال دیتا ہے، چنانچہ کبھی تو اسے ماضی یا مستقبل کی بھلائی کی خوشخبری سنا دیتا ہے، اور کبھی ان گناہوں سے جن کا اس نے ارادہ کیا ہے یا کر چکا ہے ڈراتا ہے اور کبھی ان بُری باتوں سے نفرت دلاتا ہے جن کے اسباب مہیا ہو چکے ہیں تا کہ وہ اسباب ایسے اسباب سے ٹکرا جائے جو انہیں مٹا دیں، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے خواب

میں اپنی عنایت ومہربانی سے خبردار اور بیدار کرنے کیلئے اور بھی مصلحتیں رکھی ہیں، اور خواب کا ایک طریقہ ارواح کی آپس کی ملاقات وتعارف کا بھی مقرر فرمایا ہے، بہت سے لوگوں کی اصلاح خوابوں ہی سے ہو جاتی ہے، اور وہ گناہوں سے پُرخلوص توبہ کر کے اللہ والے اور آخرت کے طالب بن جاتے ہیں، اور بہت سے ان کے ذریعہ مالدار بن جاتے ہیں، اور مدفون ہوا خزانہ پا جاتے ہیں۔

عبدالمطلب کو خواب ہی میں زمزم کی جگہ بتائی گئی تھی اور انہیں اس جگہ خزانہ بھی مل گیا تھا۔

عمیر بن وہیب سے خواب ہی میں کہا گیا تھا کہ گھر میں فلاں فلاں جگہ کھودو تمہارے والد کا دبایا ہوا مال نکل آئے گا، ان کے والد نے مال دبایا تھا اور مرنے سے پہلے بتانے کا موقع نہ مل سکا تھا عمیر خواب دیکھ کر وہی جگہ دیکھتے کھودتے ہیں تو وہاں سے دس ہزار درہم اور بہت سا سونا نکل آتا ہوتا ہے، وہ اس سے اپنا قرض بھی اتار دیتے ہیں اور خوش حال ہو جاتے ہیں، یہ واقعہ ان کے اسلام لانے کے بعد کا ہے، جب یہ مال نکل آتا ہے تو ان کی چھوٹی بچی کہتی ہے ابّا جان جس خدا نے ہمیں اپنے دین سے زندگی بخشی وہ ھبل اور عزی سے اچھا ہے کیونکہ آپ نے ابھی چند ہی دن سے اس کی عبادت کرنی شروع کی ہے کہ اس نے آپ کو یہ مال عطا فرما دیا۔

علی بن ابی طالب قیروانی معبر کا قول ہے کہ عمیر کے خواب کا واقعہ اتنا حیرت انگیز نہیں جتنے وہ واقعات حیرت انگیز ہیں جن کا ہم نے اپنے زمانے میں اپنے شہروں میں اپنی آنکھوں سے ابو محمد عبداللہ سے دیکھا ہے، عبداللہ ایک نیک آدمی تھے یہ مردوں کو خواب میں دیکھ کر ان سے پوشیدہ باتیں معلوم کر لیا کرتے تھے، اور ان کے اہل وعیال اور رشتہ داروں کو بتا دیا کرتے تھے، اس میں انہیں کمال حاصل تھا اور دور دور تک مشہور تھے، لوگ دور دور سے ان کے پاس

آ کر کہتے کہ ہمارا فلاں عزیز فوت ہو گیا ہے اس کے پاس مال تھا مگر اسے بتانے کا موقع نہ مل سکا، اب مال کا پتہ نہیں کہ کہاں دبایا ہوا ہے، یہ فرماتے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا تو مل جائے گا، تم کل آنا، پھر یہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے رات کو سو جاتے اور خواب میں اسی مردے کو دیکھتے پھر اس سے اس کے مال کے بارے میں پوچھتے وہ انہیں بتا دیتا تھا کہ فلاں جگہ دبایا ہوا ہے۔ (کتاب الروح، صفحہ ۶۲، ۶۳، ابن قیمؒ)

کیا ارواح بھی مرتی ہیں یا صرف جسم کو موت آتی ہے؟

کچھ کے نزدیک ارواح بھی مرتی ہیں کیونکہ روح بھی جسم ہے اور ہر جسم کیلئے موت ہے، معلوم ہوا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا، کل من علیھا فان الخ، جو روئے زمین پر ہیں سب فنا ہو جائیں گے بس آپ کے جلال وعزت والے رب کی ذات باقی رہے گی، **کل شئ ھالک الا وجه**۔ سوائے آپ کے رب کی ذات کے ہر چیز ختم ہو جائے گی جب فرشتوں کو موت ہے تو ارواح انسان کو سب سے پہلے موت ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کی طرف سے نقل فرمایا ہے کہ وہ کہیں گے اب رب تو نے دو بار ہمیں موت دی اور دوبار ہی زندگی عطا کی، اس لئے ان دونوں موتوں میں سے پہلی موت تو جسم کی ہے اور دوسری روح کی، لیکن کچھ کے نزدیک ارواح کو موت نہیں ہے، کیونکہ انہیں زندگی ہی کیلئے پیدا کیا گیا ہے، بس جسم ہی مرتے ہیں کیونکہ جسم سے جدا ہونے کے بعد پھر جسم میں آنے تک روح پر عذاب وثواب ہوتا ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے، اگر روحیں بھی مر جاتے تو پھر ان پر عذاب وثواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و لا تحسبن الذین

قتلو الخ،تم اللہ کی راہ میں قتل کئے جانے والوں کومردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں،انہیں رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے،اوراللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو کچھ انہیں دیا ہے اس سے خوش ہیں،اوراپنے پسماندگان سے جوان سے نہیں ملے ہیں خوش ہیں،جب کہ ان کی ارواح جسموں سے جدا ہوچکیں اوروہ موت کا ذائقہ چکھ چکے۔(کتاب الروح،صفحہ ٦٦،ابن قیمؒ)

روح کے اوصاف واحوال

قرآن حکیم سے چابت ہے کہ روح اندر باہر آتی جاتی ہے،روح کوقبض کیا اوراٹھالیا جاتا ہے،اور روح اپنے ٹھکانے کی طرف چڑھتی ہے،اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں یا بند کر دئے جاتے ہیں،**ولو تریٰ اذالظالمون فی غمرات الخ**،کاش آپ دیکھتے جب ظالم سکرات موت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں اور فرشتے ان کے طرف ہاتھ پھیلا کر کہتے ہیں اپنی روحیں نکالو،**یا ایتھاالنفس المطمئنہ الخ**،اے مطمئن روح اپنے رب کی طرف واپس جا،تو بھی اس سے خوش اوروہ بھی تجھ سے خوش ہے،اس لئے میرے بندوں میری جنت میں داخل ہوجاؤ،یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب روح جسم سے الگ ہوجاتی ہے،فرمایا:**ونفس وما سواھاالخ**،روح کی اورروح کو ٹھیک ٹھاک کرنے والی کی قسم جس نے اس دل میں اس کی برائی اورنیکی ڈالی،یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے جس طرح روح بھی ٹھیک ٹھاک کی،فرمایا:**الذی خلق فسواک الخ**،جس نے تجھے بنایا،پھرٹھیک ٹھاک کیا،پھر برابر کیا،بلکہ جسم کو اس لئے درست کیا کہ روح کا قالب بن جائے اس لئے جسم کا درست کرناروح کودرست کرنے کے

تابع ہے، کیونکہ روح جسم کا محل ہے، جیسے قالب کسی چیز کا محل ہوتا ہے، جس میں وہ چیز داخل کی جاتی ہے، معلوم ہوا کہ روح کی بھی شکل وصورت ہے اور جسم سے مل کر حسی صورت اختیار کر لیتی ہے، جس سے انسان ایک دوسرے سے بلند ہو جاتا ہے، کیونکہ جسم کی طرح روح بھی متأثر ومنفعل ہوتی ہے اور جسم پاکیزہ یا گندگی روح سے پاکیزگی یا گندگی حاصل کرتا ہے اسلئے جسم وروح میں جس قدر ربط وتناسب اور تاثیر وانفعال ہے ایسا کسی جوڑے میں نہیں، اسی وجہ سے جدا ہونے کے وقت اس سے کہا جاتا ہے کہ اے پاکیزہ روح جو پاکیزہ جسم میں ہے اور اے گندی روح جو گندے جسم میں ہے نکل آ۔

اسی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ یتوفی الانفس، اللہ موت کے وقت ارواح پوری پوری لے لیتا ہے اور جن کی موت نہیں انہیں خواب میں لے لیتا ہے، پھر جن پر موت کا فیصلہ ہو چکا انہیں روک لیتا ہے، اور دوسری ارواح کو ایک مقررہ وقت تک کیلئے چھوڑ دیتا ہے، اس آیت میں روحوں کے بارے میں کہا گیا ہے انہیں اٹھایا جاتا ہے، روکا جاتا ہے اور چھوڑا جاتا ہے، جیسے پہلی آیتوں میں کہا گیا تھا کہ وہ داخل ہوتی ہیں، خارج ہوتی ہیں، اور انہیں درست کیا جاتا ہے، رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جب روح قبض کئے جانے کے بعد روح اوپر چڑھتی ہے تو مرنے والے کی آنکھ اسے دیکھتی ہے اور یہ بھی بتایا کہ موت کا فرشتہ روح قبض کرتا ہے، پھر ان کے ہاتھ سے فرشتہ لے لیتے ہیں، پھر اس سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو نکلتی ہے، یا سڑی ہوئی لاش کی بدبو سے بھی زیادہ بدبو نکلتی ہے، ظاہر ہے کہ عوارض کی نہ بو ہوتی ہے نہ انہیں روکا جاتا ہے، اور انہیں ہاتھ بہ ہاتھ لیا جاتا ہے، اور یہ بھی بتایا کہ روح آسمان کی طرف چڑھتی ہے اس پر آسمان وزمین کے درمیان کا ایک ایک فرشتہ نماز پڑھتا ہے اس کیلئے آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، پھر ایک آسمان سے

دوسرے آسمان تک چڑھتی ہوئی اس آسمان پر پہنچ جاتی ہے، جہاں اللہ تعالیٰ ہے، پھراس کے سامنے کھڑی کر دی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام علیین میں یا سجیین والوں کے رجسٹر میں لکھ لیا جائے، پھر زمین کی طرف واپس کر دی جاتی ہے اور کافر کی روح پھینک دی جاتی ہے، اور یہ بھی کہ روح قبر میں سوال کیلئے جسم کے ساتھ داخل ہوتی ہے، رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درختوں کے پھل کھاتا رہتا ہے، جب تک اللہ تعالیٰ پھر اسے اس کے جسم میں واپس نہ کر دے اور یہ بھی بتا یا کہ شہیدوں کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، جو جنت کی نہروں پر آتی جاتی ہیں اور جنت کی پھل کھاتی ہیں اور یہ بھی بتا کہ روح پر برزخ میں قیامت تک عذاب وثواب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی روحوں کے بارے میں فرمایا کہ انہیں قیامت تک صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا رہے گا، شہیدوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں، اس زندگی سے روحوں کی زندگی مراد ہے اور انہیں مسلسل غذا مل رہی ہے، ورنہ ان کے جسم تو کب کے فناء ہو چکے پھر آپ نے اس زندگی کی یہ تفصیل بیان فرمائی کہ ان کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، جن کیلئے عرش کے نیچے قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں ،وہ جنت میں کھاتی پیتی ہیں پھر ان چراغوں میں آ کر بسیرہ کرتی ہیں پھر ان کا رب انہیں جھانک کر پوچھتا ہے کچھ خواہش ہے؟ کہتی ہیں کہ ہم تو جنت میں اپنی مرضی سے کھاتی پیتی ہیں اب اور کیا خواہش ہوگی، اللہ تعالیٰ تین مرتبہ بار بار یہی ہو چھتا ہے، جب وہ دیکھتی ہیں کہ جواب دئے بغیر چارا نہیں تو کہتی ہیں ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمیں اپنے اجسام کی طرف لوٹا دیا جائے، تاکہ ہم دوسری مرتبہ تیری راہ میں شہید ہو جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے شہداء کی ارواح سبز پرندوں میں ہیں اور جنت کے پھل کھاتی رہتی ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ

کا بیان ہے کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنگ احد میں جب تمہارے بھائی شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھ دیں جو جنت کی نہروں اور پھلوں میں سے کھاتی پیتی ہیں اور عرش کے سائے میں سونے کے چراغوں میں بسیرا کرتی ہیں پھر جب انہوں نے اپنا پاکیزہ کھانا پینا اور آرام کی خوبصورت جگہ دیکھی تو کہنے لگیں کہ کاش ہمارے بھائیوں کو بھی معلوم ہو جاتا کہ اللہ نے ہمارے لئے کیا نعمتیں پیدا کر رکھیں ہیں تا کہ انہیں بھی جہاد کی رغبت ہو، اور لڑائی سے پیچھے نہ ہٹیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں خبر کئے دیتا ہوں چنانچہ اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتاری کہ تم انہیں جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں مردہ نہ سمجھنا وہ زندہ ہیں اور انہیں ان کے رب کے پاس سے روزی پہنچائی جاتی ہے۔ (احمد) یہ روایت ارواح کے کھانے پینے حرکت و انتقال اور گفتگو کرنے کے بارے میں صاف ہے اس پر مزید وضاحت آگے آرہی ہے۔ (کتاب الروح، صفحہ ۲۷، ۳۷، ابن قیمؒ)

جسم سے روح کے تعلقات

روح کے جسم سے پانچ اقسام کے تعلقات ہیں اور ہر تعلق کا علیحدہ حکم ہے۔

(۱) رحم میں جنین میں بھی روح کا جسم سے تعلق ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا تعلق دنیا میں آنے کے بعد ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا تعلق نیند کی حالت میں ہوتا ہے کہ جسم سے ایک صورت سے تعلق بھی ہے اور ایک صورت سے جدائی بھی۔

(۴) چوتھا تعلق برزخ میں ہوتا ہے کیونکہ اگرچہ مرنے کے بعد روح جسم سے جدا ہو کر آزاد ہو جاتی ہے، مگر ایسی جدائی نہیں ہوتی کہ ذرا سا بھی تعلق باقی نہ رہے، ہم شروع میں قبر میں روح کے واپس کئے جانے کی احادیث بیان کر چکے کہ جب مردے کو کوئی سلام کرتا ہے

توسلام کے جواب دینے کیلئے اس کی روح لوٹائی جاتی ہے، یہ ایک خاص قسم کا لوٹا یا جانا ہے جو قیامت سے پہلے جسم کی زندگی کو لازم نہیں۔

(۵) پانچواں تعلق موت کی زندگی کے بعد ہوگا جو سب سے گہرا اور مکمل تعلق ہوگا جس کے سامنے پہلی قسم کے چاروں تعلق بے وقعت ہوں گے کیونکہ یہ ایک ایسا تعلق ہوگا جس کے ہوتے ہوئے نہ موت آئے گی نہ نینداور نہ جسم میں کسی قسم کا کوئی تغیر پیدا ہوگا۔

ابن حزم نے جو آیت: **فیمسک التی قضی علیھا الموت**، پھر اس روح کو روک لیتا ہے، جس پر موت کا فیصلہ ہو چکا، پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ روح کو روک لینا مردے کے جسم میں عارضی طور پر کسی وقت روح کو لوٹائے جانے کے خلاف نہیں، کیونکہ اس لوٹائے جانے سے دنیوی زندگی لازم نہیں آتی۔

سونے والے کو دیکھو کہ وہ نہ زندہ ہوتا ہے نہ مردہ بلکہ درمیانی حالت میں ہوتا ہے، جبکہ جسم میں روح باقی ہے اور زندہ کہلاتا ہے، لیکن اس کی زندگی بیداری کی زندگی سے مختلف ہے، کیونکہ نیند موت کی سگی بہن ہے، ٹھیک اسی طرح جب روح لوٹا دی جاتی ہے تو اس کی درمیانی حالت ہوتی ہے نہ مردہ ہی ہوتا ہے نہ زندہ اور مردہ ہی کہلاتا ہے، صرف اسی ایک بات میں غور کر لیجئے بہت سی مشکلات دور ہو جائیں گی۔ (کتاب الروح، صفحہ ۸۱، ابن قیمؒ)

ارواح کے حالات اجسام کے حالات سے مختلف ہیں

ارواح کے حالات اجسام کے حالات سے مختلف ہیں دیکھو دو متناسب اور ہم مثال روحوں میں بہت قرب ہوتا ہے، اگر چہ ان میں بہت دوری ہو، اور نفرت و بغض رکھنے والی دو ارواح میں انتہائی دوری ہوتی ہے، گو جسم ان کے پاس ہوں روح کا اترنا چڑھنا اور

قریب دور ہونا جسم کے اتار چڑھاؤ اور نزدیکی دوری کی طرح نہیں ہے، کیونکہ روح ذرا سی دیر میں (قبض کئے جانے کے بعد سے قبر میں رکھے جانے تک) ساتوں آسمانوں پر چڑھ کر اتر بھی آتی ہے جو جسم کیلئے ناممکن ہے، اسی طرح خواب و بیداری میں روح چڑھتی اور اترتی ہے۔ (کتاب الروح، صفحہ ۸۳، ابن قیمؒ)

سماع موتی ثابت ہے

و ماانت بمسمع من فی القبور، (آپ قبر والوں کو سنانے والے نہیں) سے سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا مطلب ہے کہ جس کافر کا دل مردہ ہے آپ اسے اسی طرح نہیں سنا سکتے، کہ اسے آپ کی باتوں سے قبر والے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اللہ تعالیٰ کی یہ مراد نہیں ہے کہ قبر والے کسی کو سن ہی نہیں سکتے، کیونکہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردہ جنازہ میں شریک ہونے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، اور یہ بھی بتایا کہ بدر کے مقتول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن رہے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کے صیغے کے ساتھ مردوں پر سلام مسنون فرمایا اور بتا کہ جو مومن ان پر سلام کرتا ہے وہ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اس آیت کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔

فرمایا: انک لا تسمع الموتی و لا تسمع الخ، (آپ اپنی دعوت مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں جب کہ وہ پیٹھ موڑ کر جا رہے ہوں) کہا جاتا ہے کہ بہروں کو سنانے کی نفی مردوں کو سنانے کی نفی کے ساتھ لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی سننے کی طاقت نہیں، اور ان کے دل چونکہ مردہ اور بہرے ہیں اس لئے انہیں سنانا

فضول ہے اور ان سے خطاب ایسا ہے جیسا کہ مردوں اور بہروں سے خطاب ہوتا ہے ہم مانتے ہیں کہ یہ مطلب صحیح ہے لیکن اس سے مرنے کے بعد زجر و توبیخ کیلئے روحوں کو جب کہ کسی وقت ان کا اجسام سے ایک قسم کا تعلق ہو سنانے کی مخالفت ثابت نہیں ہوتی، یہ سنانا منفی سنانے کے علاوہ ہے، حقیقت میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ سنانا نہ چاہے آپ اسے سنا نہیں سکتے، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو ڈرانے پر تو طاقت بخشی ہے جس کے آپ مکلف ہیں لیکن ان کے سنانے پر طاقت نہیں دی جنہیں اللہ سنانا نہ چاہے۔ (کتاب الروح، صفحہ ۸۴، ابن قیمؒ)

ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے

ہر انسان کو موت آنی ہے، ہر ذی روح کو موت کا مزا چکھنا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی موت کا آنا حق ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمیت تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی موت آئی، البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے نازل ہونے کے بعد مقررہ وقت پر موت آنی ہے۔ (موت قبر برزخ، ص/2)

عالمِ برزخ میں روح کا اپنے جسم سے تعلق اور حیاتِ برزخی

عالمِ برزخ میں روح کا اپنے جسم اور جسم کے ذرات کے ساتھ تعلق ضرور ہوتا ہے اور یہ تعلق قیامت تک رہتا ہے، اسی تعلق کو برزخی حیات یا قبر کی زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ برزخی حیات ہر مسلمان بلکہ ایک کافر مشرک کو بھی حاصل ہوتی ہے، اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے، البتہ حضرات انبیائے کرام اور شہدائے عظام کو برزخ میں خصوصی حیات حاصل ہوتی ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

عذابِ قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے

اسی تعلق اور برزخی حیات کی وجہ سے روح پر گزرنے والی ہر اچھی اور بری کیفیت جسم کو بھی محسوس ہوتی ہے گویا کہ عالمِ برزخ کے عذاب وثواب میں روح اور جسم دونوں شریک ہوتے ہیں، یہی حق عقیدہ ہے۔

قبر اور برزخ میں روح کا اعادہ

قبر اور برزخ میں اس جسم کی طرف روح کا اعادہ ہوتا ہے، یعنی روح لوٹادی جاتی ہے، اس کو اعادۂ روح کہتے ہیں، یہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ بعض کے نزدیک اس اعادہ روح کا مطلب باقاعدہ روح کا جسم میں داخل ہوجانا ہے جبکہ جمہور کے نزدیک اس اعادہ روح کا مطلب روح کا اپنے جسم کے ساتھ تعلق اور اتصال قائم ہوجانا ہے۔

سنن ابی داود میں ہے:

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ح وَحَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ -وَهَذَا لَفْظُ هَنَّادٍ- عَنِ الأَعْمَشِ عَنِ الْمِنْهَالِ عَنْ زَاذَانَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي جَنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الأَنْصَارِ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدْ فَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُءُوسِنَا الطَّيْرُ وَفِي يَدِهِ عُودٌ يَنْكُتُ بِهِ فِي الأَرْضِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ:اسْتَعِيذُوا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ« مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا -زَادَ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ هَا هُنَا- وَقَالَ: »وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ حِينَ يُقَالُ لَهُ: يَا هَذَا مَنْ رَبُّكَ وَمَا دِينُكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ«. قَالَ هَنَّادٌ: قَالَ: »وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولاَنِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ

فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللهُ. فَيَقُولاَنِ لَهُ : مَا دِينُكَ فَيَقُولُ: دِينِي الإِسْلاَمُ. فَيَقُولاَنِ لَهُ: مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ قَالَ فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللهِ ﷺ. فَيَقُولانِ : وَمَا يُدْرِيكَ فَيَقُولُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللهِ فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ«. زَادَ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ: فَذَلِكَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: (يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا)الآيَةَ. ثُمَّ اتَّفَقَا۔

روح کے امراض اوران کا علاج

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح کے امراض معاصی اور گناہ ہیں اور اس کی غذا ''ذکر اللہ'' اور اسکی طاعت ہے اور جب یہ غذا نہ ملے تو روح بیمار ہوجاتی ہے۔دھوکہ جھوٹ چوری،عیاشی یہ ساری بیماریاں ہیں اب نمونیہ ہو کسی کو اور پھوڑا نکلا ہوا ہو اور دوسری کئی بیماریاں ہوں ان کا صحت یاب ہونا مشکل ہوجاتا ہے اور ایک بیماری بعض اوقات دوسری بیماری کو کھینچ لاتی ہے۔اطباء اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ایسے ہی ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچ لاتا ہے۔

مختلف اثرات بیماریوں کے ہوتے ہیں ان کی بہت قسمیں ہیں، ہر مرض میں خاص علاج کیا جاتا ہے۔روح کی بیماریاں ایک نفسانی خواہشات ہیں کہ اس سے غفلت پیش آتی ہے۔ایک جاہی گناہ ہے اپنے کو بڑا سمجھنا یہ براہ راست قلب کا گناہ ہے۔نفسانی گناہ اعضاء کے الگ الگ ہیں اور جاہی گناہ براہ راست قلبی ہے۔(اسرار طریقت،ص/47)

مومن کی روح کیسے نکلتی ہے؟

سکرات کے عالم میں شیطان کے وسوسوں کو دور کرنے کے لئے زندگی میں ایمان کی پختگی اور اعمالِ صالحہ کے ذریعے شیطان پر قابو پانے کی ضرورت ہے۔موت کی تکلیف یا

شیطان کے وسوسوں کی وجہ سے جو ایمان کا دامن چھوڑ دیں گے وہ ناکام ہوجائیں گے۔ایسے کافروں کے پاس جب فرشتے روح قبض کرنے کے لئے پہنچتے ہیں تو انہیں عذاب، ہلاکت اور اللہ کے غیض وغضب کی خبر دیتے ہیں، یہ سن کر کافر کی روح اس کے جسم میں بھاگتی ہے اور نکلنے سے انکار کرتی ہے تو فرشتے اس کے چہرے اور سرین پر مارتے ہیں۔اس کے برعکس فرشتے جب اہل ایمان کی روح قبض کرنے کے لئے آتے ہیں تو انہیں جنت کی خوش خبری دیتے ہیں، جسے سن کر مومن کی روح آسانی سے نکل جاتی ہے۔(ایمان اور اعمال حسنہ،ص/54)

موت کے وقت کافر کی حالت

واضح رہے کہ سکرات کی تکلیف اور کافروں کے چہروں اور سرینوں پر فرشتوں کے مارنے کی تکلیف دو الگ الگ چیزیں ہیں۔سکرات کی تکلیف تو سب کو ہوتی ہے،مومن کے لئے یہ گناہوں کا کفارہ یا درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے جب کہ کافر کے لئے اس کے اچھے اعمال کا صلہ ہے،تاکہ آخرت میں اس کی سزا میں تخفیف ہو اور بسا اوقات کافر کو سکرات کی تکلیف نہیں ہوتی،تاکہ آخرت میں وہ زیادہ سخت سزا کا مستحق بن جائے،لیکن روح کے نکلنے سے انکار کرنے کی صورت میں فرشتوں کے مارنے سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ کافروں اور بدکاروں کے ساتھ خاص ہے،اہلِ ایمان الحمد اللہ اس سے محفوظ رہتے ہیں۔(ایمان اور اعمال حسنہ،ص/55)

روح کی غذا بھی ہے،دوا بھی ہے

روح کیسے سنورے گی؟ روح کی غذا کیا ہے؟ روح کی دوا کیا ہے؟ روح کی زیب و زینت کیا ہے؟ روح کو قوت دینے والی چیزیں کیا ہیں؟ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے

جسم کے لیے یہ ساری چیزیں پیدا کر رکھی ہیں، کھانا اس کے لیے پیدا کیا، بیمار ہو جائے؛ تو دوا اس کے لیے تیار فرمائی اور اگر یہ کم زور ہو جائے؛ تو اس کو قوت دینے والی چیزیں اللہ نے پیدا کیں، اسی طرح اس کی زیب و زینت کے لیے بے شمار اشیا اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں، تو جس طریقے پر جسم کے لیے اللہ نے سب کچھ پیدا کیا، اسی طریقے پر ہماری روح کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے اس سے اعلیٰ و ارفع چیزیں اللہ نے پیدا کیں۔

روح کے لیے بھی غذا موجود ہے اور اس کے لیے دوا بھی موجود ہے، روح کے لیے زیب و زینت کی اشیا بھی موجود ہیں اور روح کے لیے تقویت اور قوت کا سامان بھی اللہ نے تیار کر رکھا ہے؛ لیکن یہ ساری کی ساری چیزیں جس طرح روح ہم کو نظر نہیں آتی، اسی طرح یہ چیزیں بھی ہم کو نظر نہیں آتیں۔ روح کی دوا ہم کو نظر نہیں آتی، روح کی زیب و زینت کے اسباب نظر نہیں آتے، روح کی تقویت کا سامان نظر نہیں آتا؛ لیکن یہ سب کچھ موجود ہے۔ (فیضان معرفت جلد پنجم، ص/50)

روح کی غذا کیا ہے؟

نبی نے ہم کو بتایا ہے کہ نماز تمھاری غذا ہے، ذکر تمھاری غذا ہے، تلاوت تمھاری غذا ہے، عبادت تمھاری غذا ہے اور تم روحانی طور پر بیمار ہو جاؤ، تو یہ ذکر تمھارے لیے دوا کا کام کرتا ہے، تمھارے نفسوں کی اصلاح کرتا ہے، تمھارے قلوب کا تزکیہ کرتا ہے، تمھارے اندر کی بیماریوں کو نکالتا ہے اور اگر تم کو زیب و زینت کی ضرورت ہے، تو زیب و زینت بھی ان ہی چیزوں کے اندر اللہ نے رکھی ہے؛ اگر تم اللہ کے پاس قلبِ سلیم کے ساتھ جانا چاہتے ہو، ”قلبِ سلیم“: سجا ہوا دل، پاکیزہ دل، سلامتی والا دل، بڑا خوب صورت دل لے جانا چاہتے

ہو؛ تو اس کے لیے بھی اللہ نے سنوارنے اور بنانے کی چیزیں بھیجی ہیں، ذکر سے سنوارو، اللہ کے کلام کی تلاوت سے اسے سجاؤ؛ لیکن ہم ہیں کہ ان ساری چیزوں کو یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ ہمارے کام کی چیزیں نہیں ہیں، ان سب کو چھوڑ رکھا ہے اور ہماری پوری توجہ اپنے ظاہر کو بنانے اور اس کو سنوارنے میں خرچ ہو رہی ہے۔ (فیضان معرفت جلد پنجم ص/52)

مومن کی روح کا مقام

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا مومن کی روح ایک پرندکے قالب میں جنت کے درخت میں جاگزین رہتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو اس کے جسد کی طرف واپس لے آوے۔ (نسائی)

روحیں ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں

ام بشر بن البراء سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مردے آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں آپ نے فرمایا اری خاک میں ملی (یہ بطور ترحم کے فرمایا جیسا محاورہ ہے) روح مطمئنہ جنت میں سبز پرندوں کے قالب میں ہوتی ہے سو اگر پرندے درختوں کی ڈالیوں میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں (اور ظاہر ہے کہ پہچانتے ہیں) تو وہ ارواح بھی ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں۔ (ابن سعد)

روحوں کا حال

کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ارواح مومنین کا حال پوچھا آپ نے فرمایا کہ سبز پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں بہشت میں جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی پھرتی ہیں۔ (طبرانی)

مومنین کی روحیں ساتویں آسمان میں ہوتی ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ارواح مومنین کی ساتویں آسمان میں ہیں (وہاں سے) اپنے منازل کو جو ان کو جنت میں ملیں گے دیکھتی ہیں۔ (ابونعیم)

عالم برزخ میں مُردوں کے احوال

برزخ کے متعلق روایتیں تو بیشمار ہیں مگر ان میں سے اس گیارہویں باب میں صرف ستائیس حدیثیں بطور نمونہ نقل کی ہیں۔ ان ستائیس حدیثوں میں مع کچھ اس سے پہلے بابوں کی حدیثوں کے برزخ کا عیش و آرام اور اعزاز و اکرام پوری طرح سے ذکر ہو گیا کیونکہ جسمانی اور روحانی نعمت اور خوشی کی قسمیں صرف تین یہ ہیں۔ تکلیفوں سے محفوظ رہنا۔ مکان کا کشادہ ہونا۔ حاکم کے نزدیک مقبول ہونا۔ مددگاروں کی پناہ میں ہونا۔ حاکم کا مہربان ہونا۔ کسی ساتھی غمگسار کے پاس ہونا۔ اندھیرے میں روشن ہونا۔ قرآن شریف کا پڑھنا۔ نماز پڑھنا۔ دوستوں اور عزیز و اقارب سے ملنا جلنا۔ پاس آنے والوں سے دل بستگی ہونا۔ کھانے پینے میں افراخی ہونا۔ خصوصا جنت کی نعمتیں کھانا پینا۔ عمدہ فرش ہونا۔ عمدہ لباس ہونا۔ ہوادار مکان ہونا۔ خصوصاً جنت کی ہوا آتی ہو۔ تفریح کے لیے باغ ہونا۔ خوشی کی خبریں سننا اور آپس میں جان پہچان ہونا قیام گاہ کا عالی شان ہونا جنت سے اعلیٰ کونسی قیام گاہ ہوگی۔ اپنا مقام جنت میں اپنی آنکھ سے دیکھنا مذکورہ حدیثوں میں ان سب چیزوں کی خبر ہے اس میں عیش کا تمام سامان آ گیا۔

ان سب سے صاف ثابت ہے کہ جو بات عوام کے خیال میں جمی ہوتی ہے کہ مردے

یوں ہی بیکس بے بس تنہائی میں پڑے ہوئے گھٹا کریں گے یہ خیال غلط ہے بلکہ دنیا میں جس قدر سامان عیش کا کسی کے پاس ہوسکتا ہے وہ سب بلکہ اس سے زیادہ اور عمدہ عالم برزخ میں نصیب ہوگا ہاں بعض کے سامان عیش ایسے ہیں کہ وہ وہاں نہ ہوں گے جیسے نکاح وغیرہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم برزخ میں غلبہ روحانی کیفیت کو ہوتا ہے یہ جسمانی کیفیتیں اور جذبات کالعدم ہو جاتے ہیں اس واسطے نکاح وغیرہ کی ضرورت نہیں اور یہی وجہ ہے کہ قیامت میں جنت میں جائیں گے۔تو پھر وہی دنیا کا جسم مل جائے گا۔لہٰذا وہ جذبات بھی پیدا ہو جائیں گے اور حوریں ملیں گی۔ رہا کھانا پینا سو اس کی خواہش رہ سکتی ہے کیونکہ کمزور جسم کو بھی اس کی خواہش ہوتی ہے جیسے بچہ کو یا بہت کمزور لب دم مریض کو اس واسطے آیا ہے کہ مومنین کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں جنت میں چرتی پھرتی ہیں۔(تسہیل شوق وطن،ص/29)

عالم ارواح میں روحیں آپس میں مل کر خوش ہوتی ہیں

ثابت بنانی سے منقول ہے کہ ہم کو یہ روایت پہنچی کہ جب کوئی مرتا ہے تو (عالم ارواح میں پہنچنے کے وقت) اس کے اہل و اقارب جو پہلے مر چکے ہیں اس کو ہر چہار طرف سے گھیر لیتے ہیں اور وہ اس سے مل کر اور یہ ان سے مل کر اس مسافر سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو اپنے گھر آتا ہے۔(بحوالہ ابن ابی الدنیا)

مرنے کے بعد روحیں کہاں رہتی ہیں؟

مرنے کے بعد نیکوں کی ارواح علیین میں اور بدوں کی سجین میں جاتی ہیں،علیین نیکوں اور سجین بروں کا ٹھکانہ ہے،وقال کعب:

أرواح المؤمنين في عليين في السماء السابعة وأرواح الكفار في سجين في الأرض السابعة تحت جند إبليس۔ (کتاب الروح، المسئلۃ الخامسۃ عشرۃ، این مستقر الارواح مابین الموت إلی یوم القیامۃ)

(۲) دفن سے پہلے میت کے ساتھ جو کچھ غسل، کفن، رونا اوراظہارغم وغیرہ کا معاملہ کیا جاتا ہے، اس کو روح دیکھتی ہے اوراس وقت روح فرشتے کے قبضے میں رہتی ہے، اور میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو روح بھی قبر میں داخل ہوکر دوبارہ میت کے جسم میں داخل ہوجاتی ہے:

أخرج عن حذيفة قَالَ الرّوح بيد ملك وَإِن الْجَسَد ليغسل وَإِن الْملك ليمشي مَعَه إِلَى الْقَبْر فَإِذا سوي عَلَيْهِ سلك فِيهِ فَذَلِك حِين يُخَاطب ۔

(شرح الصدور للسیوطي باب معرفۃ المیت بمن یغسلہ ویجہزہ: بیروت)

(۳) انسان میں تین طرح کی روح ہوتی ہے (۱) روح طبعی (۲) نفس ناطقہ (۳) روح ملکوت ۔ (۴) مرنے کے بعد روح کا تعلق کسی نہ کسی درجے میں جسم کے ساتھ ضرور رہتا ہے، اور جب روح کا تعلق بدن کے ساتھ ہے تو عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے، چنانچہ روح کے ساتھ بدن کے اجزاء بھی عذاب قبر میں شامل ہوتے ہیں۔

مرنے کے بعد عذابِ قبر کیسے محسوس ہوتا ہے؟

انسان کے مرنے کے بعد اس کا تعلق اس ظاہری اور دنیوی عالم سے نہیں رہتا، بلکہ اس کا تعلق ایک اور عالم سے ہوجاتا ہے، جس کو عالِم برزخ (اورعرفِ عام میں عالِم قبر) کہتے ہیں۔ اب جو کچھ اس پر گزرتا ہے وہ دنیوی عالم میں نہیں، بلکہ اس دوسرے عالم میں ہوتا ہے اوراس دوسرے عالم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے عام انسانوں سے مخفی رکھا ہوا ہے؛ لہٰذا اس پر اچھا یا بُرا جو کچھ گزرتا ہے، اس کا اس دنیا میں مشاہدہ عام طور پر نہیں ہوتا، مردہ

ہمارے سامنے ہوتا ہے اور اس پر عذاب یا راحت کا معاملہ ہوتا ہے؛ مگر اس کے باوجود چوں کہ یہ معاملہ عالمِ برزخ کا ہے؛ اس لیے ہم کو محسوس ومشاہد نہیں ہوتا۔ اور ہمارے نہ دیکھنے یا محسوس نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مردے کو تکلیف یا راحت محسوس نہیں ہو رہی، بلکہ اسے راحت اور تکلیف بھی محسوس ہوتی ہے، لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ نے ہم سے مخفی رکھا ہے، تاکہ ایمان بالغیب باقی رہنے کی بدولت انسان اجر و ثواب کا مستحق بھی ہو اور اس کی آزمائش بھی ہو۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ قبر میں جو عذاب دیا جاتا ہے انسان اور جنات کے علاوہ تمام مخلوقات اسے محسوس کرتی ہیں۔ چوں کہ انسان اور جنات مکلف ہیں اس لیے انہیں یہ دکھایا نہیں جاتا، تاکہ آزمائش اور انسان کا اپنا اختیار مکمل باقی رہے، اور اپنے اختیار سے اچھی یا بری راہ منتخب کرنے کی صورت میں اجر وثواب اور سزا کا مستحق بنے۔ (عالم برزخ ص/99)

اس کی ایک مثال تقریبِ فہم کے لیے یہ ہے کہ انسان سوتا ہے اور عالمِ یقظہ (بیداری) سے عالمِ نوم (سونے کے عالم) کو پہنچ جاتا ہے اور اس دوسرے عالم (سونے کے عالم) میں وہ خواب کے اندر کبھی اچھی اور دل خوش کن باتیں اور کبھی اذیت ناک وتکلیف دہ امور کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس عالم میں دوسروں سے سنتا اور گفتگو کرتا ہے، کبھی دوڑتا، مارتا، کھاتا، پیتا ہے اور اسی کے پاس بیٹھے ہوئے افراد کو جو عالمِ یقظہ میں ہیں اس دوسرے عالم کی کوئی خبر نہیں ہوتی، اور بسا اوقات اس کی بتائی ہوئی باتیں سچ وحق ظاہر ہوتی ہیں، اور اس سے بڑھ کر بعض اوقات خواب میں محسوس کی گئی جسمانی، مالی یا روحانی تکلیف حقیقت میں بھی لاحق ہوجاتی ہے اور بعض اوقات خواب میں حاصل ہونے والی راحت بیداری میں بھی حاصل ہوجاتی ہے۔ اس مثال سے عالمِ برزخ اور عالمِ دنیا کا فرق ظاہر ہوجاتا ہے؛ نیز اُس عالم کی بہت سی باتوں کے ہمارے مشاہدہ میں نہ آنے کی بات قریب الفہم ہوجاتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مردہ ہمارے درمیان رہتے ہوئے بھی دوسرے عالم میں ہے، جیسے سونے والا ہمارے درمیان میں ہوتے ہوئے بھی دوسرے عالم میں ہوتا ہے، اور جس طرح وہ بہت سی اچھی اور بری باتیں محسوس کرتا اور اٹھتا، بھاگتا، کھاتا پیتا ہے اور اس کی ان حرکات کو بازو بیٹھے ہوئے لوگ محسوس نہیں کر پاتے، اسی طرح عالمِ برزخ میں گزرنے والے حالات کا علم مردہ، تو محسوس کرتا ہے؛ مگر اِس عالم دنیا کے لوگ محسوس نہیں کرتے۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ مردے کو دفن کرنے والے جب لوٹتے ہیں تو وہ ان کے قدموں کی آہٹ سن رہا ہی ہوتا ہے کہ منکر نکیر اس سے حساب لینے آجاتے ہیں۔

عذابِ قبر کی حقیقت وصداقت قرآن کی متعدد آیات اور احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے اور اس سلسلے میں اتنی حدیثیں آئی ہیں کہ بعض محدثین نے ان کو متواتر قرار دیا ہے اور اہلِ اسلام کا شروع دور سے یہ متفقہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ قبر میں نیکوں کو ثواب اور بروں کو عذاب ہوتا ہے، اس پر اہلِ سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ اور یہ عقیدہ درحقیقت عقیدہ آخرت کا تکملہ وتتمہ ہے، جو اسلام کا بنیادی واساسی عقیدہ ہے۔ (عالم برزخ، ص101)

انسان جب مرجاتا ہے تو عذاب یا ثواب اس کو کہاں ملتا ہے اس دنیوی قبر میں یا کسی اور جگہ؟

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ انسان کی وفات سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کا زمانہ عالم برزخ ہے اور برزخی زندگی کا انحصار صرف قبر ہی پر نہیں ہے؛ بلکہ موت کے بعد جسم انسانی کے اجزاء جہاں بھی پائے جائیں- خواہ وہ مٹی کا گڑھا ہو یا سمندر کا پانی ہو یا

جانوروں کا پیٹ ہو- یہ سب اس کے لئے قبر کے درجہ میں ہیں اور یہی برزخی زندگی کہلاتی ہے، موت کے بعد اسی عالم برزخ میں روحِ انسانی اپنے بدن یا جزوِ بدن کی طرف متوجہ ہوتی ہے؛ تاکہ وہ منکر نکیر کے سوالات کا جواب دے سکے اور پھر اس روح کا جسم کے ساتھ کم ازکم اس قدر تعلق ضرور باقی رہتا ہے کہ وہ اس کی بنا پر قبر کی راحت وعذاب کو محسوس کر سکے؛ تاہم یہ ایسی چیز ہے جو انسانی آنکھوں سے نظر نہیں آسکتی اور بندہ اس کی کیفیات جاننے کا مکلف بھی نہیں ہے، اس پر بلا کسی تفصیل کے مخبر صادق کے خبر دینے پر ایمان لانا ضروری ہے۔ **واختلف فيه أنه بالروح أو بالبدن أو بهما وهو الأصح منهما إلا أنا نومن بصحته ولا نشتغل بكيفيته**۔ (شرح الفقہ الأکبر: ۱۲۴، شرح الصدور للسیوطی ۲۴۷ بیروت)

انسان کی روح قبض کرنے کے بعد کہاں جاتی ہے؟ اور روح کی حقیقت کیا ہے؟

روح کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود روح کی حقیقت کے بارے میں جواب نہیں دیا، بلکہ وحی الٰہی کا انتظار فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمایا:

﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾۔ (الاسراء:۸۵)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس بات کی ہدایت فرمادی کہ روح ایک امر ربی ہے، یعنی روح بھی میرے ربّ کے امر کن ہی سے ہے اور اس کی مخلوق ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری سمیت حدیث کی دیگر کتب میں یہ روایت موجود ہے کہ:

عن عبد الله ، قال : بينا أنا أمشي مع النبي صلى الله عليه وسلم في خرب المدينة وهو يتوكأ على عسيب معه، فمر بنفر من اليهود فقال بعضهم لبعض: سلوه عن الروح، وقال بعضهم: لا تسألوه لا يجيء فيه بشيء تكرهونه، فقال بعضهم: لنسألنه، فقام رجل منهم، فقال: يا أبا القاسم! ما الروح؟ فسكت فقلت: إنه يوحى إليه، فقمت فلما انجلى عنه قال:

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلاً ﴾۔(الاسراء:85)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم راہ مدینہ کے کھنڈروں میں چل رہا تھا اور آپ کھجور کی ایک چھڑی کو زمین پر ٹکا کر چلتے تھے کہ یہود کے کچھ لوگوں پر آپ گزرے تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ آپ سے روح کی بابت سوال کرو، اس پر بعض نے کہا کہ نہ پوچھو، مبادا اس میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دیں جو تم کو بری معلوم ہو، پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم ضرور آپ سے پوچھیں گے، چنانچہ ان میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے؟ آپ نے سکوت فرمایا (ابن مسعود کہتے ہیں) میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ پر وحی آرہی ہے، لہذا میں کھڑا ہو گیا، پھر جب وہ حالت آپ سے دور ہوئی، تو آپ نے فرمایا: (ترجمہ) اے نبی یہ لوگ تم سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں، کہہ دو کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے (پیدا ہوئی) ہے اور اس کی اصل حقیقت تم نہیں جان سکتے؛ کیوں کہ تمہیں کم ہی علم دیا گیا ہے۔

بعد کے زمانے میں فلاسفہ، عقلاء اور سائنس دانوں نے اپنی علمی بساط کے مطابق روح کے بارے میں اظہارِ خیال کیا اور مسئلہ روح پر مستقل کتابیں اور رسائل لکھے گئے۔

اسی طرح مفسرین حضرات میں بھی دو جماعتیں ہیں: بعض مفسرین نے اس مسئلہ میں تفصیل اور گہرائی میں جانے سے گریز کیا ہے اور انہوں نے اُسی اجمال کو ترجیح دی ہے جسے کلام اللہ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ جمہور علماء نے۔ قُلِ الرُّوحُ مِنۡ أَمۡرِ رَبِّيۡ کے پیشِ نظر اس مسئلہ میں سکوت اختیار کرنے کو ہی افضل اور بہتر قرار دیا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تفسیر عثمانیؒ میں لکھتے ہیں:

یعنی روحِ انسانی کیا چیز ہے؟ اس کی ماہیت و حقیقت کیا ہے؟ یہ سوال صحیحین کی روایت کے موافق یہودِ مدینہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو کیا تھا۔ اور سیر کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں قریش نے یہود کے مشورہ سے یہ سوال کیا۔ اسی لیے آیت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، ممکن ہے نزول مکرر ہوا ہو، واللہ اعلم۔ یہاں اس سوال کے درج کرنے سے غالباً یہ مقصود ہوگا کہ جن چیزوں کے سمجھنے کی ان لوگوں کو ضرورت ہے اُدھر سے تو اعراض کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل میں از راہِ تعنت و عناد جھگڑتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس کی تھی کہ وحی قرآنی کی روح سے باطنی زندگی حاصل کرتے اور اس نسخہ شفا سے فائدہ اٹھاتے، مگر انہیں دور از کار اور معاندانہ بحثوں سے فرصت کہاں۔ "روح" کیا ہے؟ جوہر ہے یا عرض؟ مادی ہے یا مجرد؟ بسیط ہے یا مرکب؟ اس قسم کے غامض اور بے ضرورت مسائل کے سمجھنے پر نہ نجات موقوف ہے نہ یہ بحثیں انبیاء کے فرائضِ تبلیغ سے تعلق رکھتی ہیں۔ بڑے بڑے حکماء اور فلاسفہ آج تک خود "مادہ" کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے، "روح" جو بہر حال "مادہ" سے کہیں زیادہ لطیف و خفی ہے، اس کی اصل ماہیت وکنہ تک پہنچے کی پھر کیا امید کی جاسکتی ہے۔ مشرکینِ مکہ کی جہالات اور یہودِ مدینہ کی اسرائیلیات کا

مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ جو قوم موٹی موٹی باتوں اور نہایت واضح حقائق کو نہیں سمجھ سکتی، وہ روح کے حقائق پر دسترس پانے کی کیا خاک استعداد و اہلیت رکھتی ہو گی؟

مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قرآن کریم نے یہ جواب دیا ہے، قُلِ الرُّوحُ مِنۡ أَمۡرِ رَبِّيۡ، اس جواب کی تشریح میں حضرات مفسرین کے کلمات اور تعبیرات مختلف ہیں، ان میں سب سے زیادہ اقرب اور واضح وہ ہے جو تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس جواب میں جتنی بات کا بتلانا ضروری تھا اور جو عام لوگوں کی سمجھ میں آنے کے قابل ہے، صرف وہ بتلا دی گئی، اور روح کی مکمل حقیقت جس کا سوال تھا اس کو اس لیے نہیں بتلایا کہ وہ عوام کی سمجھ سے باہر بھی تھی اور ان کی کوئی ضرورت اس کے سمجھنے پر موقوف بھی نہ تھی، یہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان کے جواب میں یہ فرما دیجیے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے، یعنی وہ عام مخلوقات کی طرح نہیں جو مادہ کے تطورات اور توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہیں، بلکہ وہ بلا واسطہ حق تعالیٰ کے حکم کن سے پیدا ہونے والی چیز ہے۔۔۔ اور انسان کے لیے اتنا ہی علم روح کے متعلق کافی ہے، اس سے زائد علم کے ساتھ اس کا کوئی دینی یا دینوی کام اٹکا ہوا نہیں، اس لیے وہ حصہ سوال فضول اور لایعنی قرار دے کر اس کا جواب نہیں دیا گیا، خصوصاً جب کہ اس کی حقیقت کا سمجھنا عوام کے لیے تو کیا بڑے بڑے حکماء و عقلاء کے لیے بھی آسان نہیں ... قرآن کریم نے اس سوال کا جواب مخاطب کی ضرورت اور فہم کے مطابق دے دیا، حقیقتِ روح کو بیان نہیں فرمایا، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح کی حقیقت کو کوئی انسان سمجھ ہی نہیں سکتا اور یہ کہ خود رسولِ کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کو بھی اس کی حقیقت معلوم نہیں تھی، صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت نہ اس کی نفی کرتی ہے نہ اثبات، اگر کسی نبی ورسول کو وحی کے ذریعہ یا کسی ولی کو کشف والہام کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو اس آیت کے خلاف نہیں، بلکہ عقل وفلسفہ کی رو سے بھی اس پر کوئی بحث وتحقیق کی جائے تو اس کو فضول اور لا یعنی تو کہا جائے گا، مگر نا جائز نہیں کہا جا سکتا؛ اسی لیے بہت سے علماءِ متقدمین ومتاخرین نے روح کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں، آخری دور میں ہمارے استاذِ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایک مختصر سے رسالے میں اس مسئلے کو بہترین انداز سے لکھا ہے، اور اس میں جس قدر حقیقت سمجھنا عام انسان کے لیے ممکن ہے وہ سمجھا دی ہے، جس پر ایک تعلیم یافتہ انسان قناعت کر سکتا ہے، اور شبہات واشکالات سے بچ سکتا ہے۔

کیا مرنے کے بعد روح کا واپس گھر کو آنا یا جمعرات کو آنا

مرنے کے بعد مردہ کی روح اپنے مقام علیین یا سجین میں پہنچا دی جاتی ہے، اسے دنیا میں نہیں بھیجا جاتا ہے، مرنے کے بعد روح کا گھر واپس آنا یا جمعرات کو آنا قرآن وصریح حدیث سے ثابت نہیں ہے: كلا إن كتب الفجار لفي سجين۔ كلا إن كتب الأبرار لفي عليين۔

قلنا وجه التوفيق: أن مقر أرواح المومنين في عليين أو في السماء السابعة ونحو ذلك كما مر ومقر أرواح الكفار في سجين۔ (التفسیر المظہری: ۱۰/ ۲۲۵، حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

شہیدوں کی روحوں کا مقام

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ارواح شہداء کی سبز پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں بہشت میں جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی پھرتی ہیں پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں آکر قرار پکڑتی ہیں۔ (مسلم)

روح کی طاقت کا مشاہدہ کیجئے

اس روح میں اللہ تعالیٰ نے زبردست صلاحیت رکھی ہے، اتنی طاقت رکھی ہے کہ مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کا ایک طبقہ ابدال کا ہے جو اگر چاہیں تو کراچی سے ایک قدم میں ملک شام جاسکتے ہیں اور کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا اور اُن کو بھی پتا دینے کی اجازت نہیں ہوتی، ابدال کو اجازت نہیں کہ بتادے کہ آج ایک قدم میں ہم ملک شام گئے تھے ورنہ اُن کی ابدالیت چھین لی جائے گی اور دال بنادیے جائیں گے بجائے گوشت کے۔ تو میں عرض کررہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے روح میں وہ صلاحیت رکھی ہے کہ ؎

پرِ ابدالاں چوں پرِ جبرئیل

یہ مولانا رومی ہیں۔ یہ شخص کوئی قصے کہانی کی کتاب لکھنے والا نہیں ہے۔ سارے عالَم کے اولیاء اللہ جس کی ولایت کو تسلیم کرتے ہیں یہ اُس کا کلام ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کا یہ طبقہ جو ابدال کہلاتا ہے اُن کی روحانیت کے پر ظاہر میں نظر نہیں آتے، مثل جبرئیل علیہ السلام کے اُن کی روح میں پر ہوتے ہیں لیکن اُن کو بتانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایک گاؤں میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں ابدال ہوگیا ہوں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا گیا کہ یہاں ہمارے گاؤں میں ایک شخص اپنی ابدالیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جس کو اللہ ابدال بناتا ہے اُس کو اجازت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے کو ابدال ظاہر کرے لہٰذا یہ ابدال نہیں ہے، ہاں پہلے گوشت تھا اب دال ہوگیا ہے۔ یعنی تکبر سے دعویٰ کرکے اپنی بڑائی دکھاتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔

(یاارحم الراحمین۔ مولائے رحمۃ للعلمین، ص/15)

جب نفس کو غم ہوتا ہے تو روح کا نور اس کا پاور بڑھتا اور خوشی میں اضافہ ہوتا ہے

حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ نظر بچانے میں جو غم ہوتا ہے اس سے نہ گھبرایئے۔ ہمت کر کے حسینوں سے نظر بچاؤ کہ نفس غم سے کہے آہ اور روح کہے واہ۔ حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گناہ سے بچنے میں نفس میں تو غم آتا ہے لیکن اسی وقت روح میں نور پیدا ہوتا ہے۔ اگر نفس میں ایک کلو غم آیا تو روح میں اسی وقت ایک کلو نور بن جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ قلب کو ایسی حلاوتِ ایمانی دے گا کہ آپ شکر ادا کریں گے کہ اے مالک ! یہ آپ کا کرم ہے کہ آپ نے حسینوں کو پیدا کیا، اور ہمیں ان سے نظر بچانے کی توفیق دی جس سے ہمارے نفس میں آپ کے راستے کا غم آیا۔ دشمنوں کو یہ غم نصیب نہیں، یہ اولیاء اللہ کا غم ہے مگر اس غم کی بدولت ہمارے قلب کو آپ نے حلاوتِ ایمانی کا مزہ عطا فرمایا۔ نہ یہ حسین ہوتے نہ ہمیں نظر بچانے کی توفیق ہوتی اور نہ حلاوتِ ایمانی ہمیں عطا ہوتی جس کی لذت کے سامنے سلطنتِ ہفت اقلیم کی لذت ہیچ ہے۔ حسینوں کو دیکھنے سے آنکھوں کو تو مٹھاس ملتی ہے۔ لیکن یہ مٹھاس دل پر عذاب بن جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کی لذت دل کی مستقل کلفت بن جاتی ہے اور دل کی حلاوتِ ایمانی تمام اعضا کی حلاوتِ ایمانی کا سبب بنتی ہے کیوں کہ دل سپلائر ہے۔ دل ایک حوض ہے۔ اگر حوض میں دودھ اور شکر اور شربتِ روح افزا ہے تو اس کی ٹونٹیوں سے روح افزا ہی سپلائی ہوگا۔ قلب میں جب حلاوتِ ایمانی ہوگی تو قلب ہی سارے اعضا میں خون سپلائی کرتا ہے لہٰذا خون کے ساتھ ساتھ حلاوت ایمانی بھی سپلائی ہوگی اور سارے جسم کو سکون حاصل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کا قلب و قالب سکون و اطمینان کا حامل ہوتا ہے۔ (مواہب ربانیہ، ص/ 467)

غذائے ارواحِ عاشقاں

حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ: حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھے بتایا کہ عشاء کے بعد میری مجلس ہوئی جس میں صرف اشعار پڑھے گئے، جب تہجد کا وقت ہوگیا تو سب نے تہجد پڑھی اس کے بعد پھر اشعار کی مجلس شروع ہوگئی، فجر کے وقت سب نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی، اس کے بعد مجلس دوبارہ شروع ہوگئی، آخر میں سب اشراق پڑھ کر گئے اور سب ندوہ کے بڑے بڑے علماء تھے۔ اللہ کی محبت کے اشعار بھی اللہ کے عاشقوں کی غذا ہے ۔

غذائے عاشقاں باشد سماع

اللہ کی محبت اور معرفت کے اشعار عاشقوں کی غذا ہے، یہ غذائے اولیاء ہے، چوبیس صحابہ کرام بارگاہِ نبوت کے شاعر تھے، یہ میں نے حضرت پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ چوبیس صحابہ رضی اللہ عنہم شاعر تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اشعار کہے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری نہیں دی گئی تھی کیوں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مناسب نہیں تھی، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہوتے تو قرآن شریف کے بارے میں کوئی کہہ سکتا تھا کہ یہ بھی ایک شاعری ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حکمت کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشعار سے مناسبت نہیں دی۔ (اللہ کی دوستی کیسے حاصل ہو؟ ص/20)

روحوں کے ٹھکانے کہاں کہاں ہے

موت اور قیامت کے درمیانی حالت میں انسانی روحوں کا مسکن کہاں ہوگا، اس سلسلہ

میں نصوص شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم والوں کی روحیں مرنے کے بعد آسمانی بادشاہت میں قدم نہ رکھ سکیں گی بلکہ وہ زمین ہی کی فضاؤں میں آوارہ پھرتی رہیں گی یا جہاں پر ان کے اجسام مٹی کے حوالے ہوئے ہونگے ان سے لگاؤ ہونے کی وجہ سے وہیں منڈلاتی رہیں گی اور وہیں سے دوزخ کا منظر دیکھیں گی اور تکلیف اٹھائیں گی، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ اسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ۔ (الاعراف:۴۰)

جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور ان سے تکبر کرتے ہیں ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جاویں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر سے نہ چلا جاوے۔ (ترجمہ تھانویؒ)

اس کے برخلاف ہمہ تن پاکباز مؤمن روح کا یہ حال ہوتا ہے کہ موت ہی کے وقت رحمت الٰہی کا فرشتہ بلکہ خود زبان رحمت اس کے کانوں میں یہ صدا دیتی ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ o ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً o فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ o وَ ادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ۔ (الفجر:۲۷۔۳۰)

اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش پھر تو میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ (ترجمہ تھانویؒ)

ان سے بڑھ کر وہ پاکباز روحیں ہیں، جنہوں نے اپنے جسموں، فانی زندگیوں، مادی خوشیوں اور زوال پذیر عشرتوں کو خدا کی راہ میں قربان کیا تو ان کو خدا کی طرف سے ایک مثالی جسم، غیر فانی زندگی اور روحانی عیش و مسرت کی لازوال دولت اسی وقت عنایت کر دی جاتی ہے اس لیے فرمایا:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ o بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (البقرۃ:۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم جو اس سے ادراک نہیں کر سکتے۔ (ترجمہ تھانویؒ)

ایک اور جگہ کچھ اور تفصیل سے ان کی پر مسرت زندگی کو اس طرح بتلایا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا o بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ o فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ o وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ o اَلَّاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ o وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران:۱۶۹۔۱۷۱)

اور جو لوگ اللہ تعالی کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالی نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہونگے وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت و فضل خداوندی کے اللہ تعالی اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔ (ترجمہ تھانویؒ)

یہ پر مسرت زندگی شہداء کو ملے گی اس زندگی کا مقام خدا کے پاس بتایا گیا ہے اور احادیث صحیحہ میں ہے کہ ان زندہ شہیدوں کی روحیں دنیا سے پرواز کر کے سبز پرندوں کی شکل میں جنت کی سیر کرتی ہیں اور عرش الہی کی قندیلیں ان کا ٹھکانہ بنتی ہیں، اس کے بعد ہر عقل مند یہ بات تسلیم کریگا کہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی درجات شہداء سے اعلی و برتر ہیں؛

اس لیے ان کا مقام بھی اس احاطہ قدس میں ہوگا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کے سفر اور سچے خوابوں میں بعض پیغمبروں کو آسمان اور جنت کے مختلف درجات میں دیکھا۔
(مسلم، باب بیان ارواح الشہداء فی الجنۃ، حدیث نمبر: ۳۵۰۰۔ وترائی اھل الجنۃ اھل الغرف، حدیث نمبر: ۳۶۹۶)

بعض نیک بخت روحیں وہ ہیں جو یہاں سے نکل کر فرشتوں کی صف میں داخل ہوجاتی ہیں؛ جیسا کہ حضرت جعفر طیارؓ کے متعلق صحیح احادیث میں آیا ہے کہ وہ شہادت کے بعد اپنے دونوں بازوؤں سے فرشتوں کے ساتھ عالم ملکوت میں اڑ رہے تھے۔ (ترمذی، باب مناقب جعفر بن ابی طالبؓ، حدیث نمبر: ۳۶۹۶)

عالم برزخ کے یہ دو اڑانے والے بازو درحقیقت ان کے دونوں جسمانی بازوؤں کی مثال ہیں جو جنگ میں ان کے جسم سے کٹ کر گر گئے تھے اور وہ اس پر بھی اسلام کے جھنڈے کو اپنے بقیہ کٹے ہوئے بازو اور گردن کے سہارے پکڑے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/ ۲۹۲)

دنیا میں روح واپس نہیں آتی

عوام میں مشہور ہے کہ بعض مردوں کی روحیں آکر لوگوں کو تکلیف دیتی ہیں؛ اسی طرح اگر کوئی مردہ کو ناحق قتل کیا گیا یا ستایا گیا تو اس کے مرنے کے بعد اس کی روح دنیا میں آکر قاتل اور ستانے والوں کو تکلیف دیتی ہے اور اس کے مرنے تک اس کے درپے ہوتی ہے، یہ بہت ہی غلط اور شریعت کے خلاف عقیدہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ (المؤمنون: ۱۰۰)
یعنی مرنے کے بعد دنیا میں واپسی کی تمنا ہونے پر دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا بلکہ قیامت تک عالم برزخ ہی میں رکھا جائے گا۔

عقلاً بھی یہی صحیح معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اگر مردہ عالم برزخ میں عیش وآرام سے ہوتو اسے یہاں آ کر لوگوں پر مسلط ہونے کی کیا ضرورت ہے اور اگر عذاب میں ہے تو عذاب کے فرشتے اسے کیوں چھوڑ دیں گے کہ وہ دوسروں کو لپٹتا پھرے؟ البتہ اگر کسی پر کوئی تکلیف ہوتو وہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے ہوسکتا ہے کہ شیطان یا جن اس سے لپٹ کر کسی مردہ کا نام لے لے۔ (اشرف الجواب: ۱۴۵، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ)

روحوں کے آنے کا اعتقاد

بعض لوگوں میں شب برأت کے متعلق یہ اعتقاد رائج ہے کہ اس رات مردوں کی روحیں اپنے اپنے لوگوں سے ملنے گھروں کو آتی ہیں، یہ اعتقاد بھی بے اصل ہے، کسی حدیث یا آیت یا اور کسی شرعی دلیل سے شب برأت میں روحوں کے آنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ ظاہر ہے کہ بلا شرعی دلیل کے یہ بات کس طرح مان لی جائے کہ شب برأت کے موقعہ پر روحیں آتی ہیں؟

پھر اس بے اصل بات کو لیکر بعض لوگ اپنے گھروں میں عجیب طرح کی خرافات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ یہ کہ روحوں کے لیے دستر خوان بچھا کر ان کے لیے کھانے چنے جاتے ہیں اور اس میں اپنے مردوں کی پسندیدہ اشیاء جوڑتے ہیں، حتی کہ اگر کسی کو سگریٹ، بیڑی کا شوق تھا تو دستر خوان پر اس کو بھی رکھا جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں خلاف شریعت ہونے کے ساتھ خلاف عقل بھی ہیں، خلاف شرع تو اس لیے کہ شرعی دلائل سے ان کا ثبوت نہیں ہوتا۔ شب برأت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی آتی رہی اور حضرات صحابہ اور تابعین کے دور میں بھی آتی رہی؛ مگر نہ روحوں کی آمد کا عقیدہ کسی نے پیش کیا، نہ ان کے لیے دستر خوان چنا گیا۔

اگر یہ بات ہوتی تو ان حضرات سے ضرور اس سلسلہ میں کوئی بات ثابت ہوتی، بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر شب برأت میں روحوں کے آنے کی بات صحیح ہوتی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس رات قبرستان کیوں تشریف لے جاتے؟ (جیسا کہ ایک ضعیف روایت میں اس کا ذکر آتا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے اور احقر نے اپنے مضمون ماہ شعبان، فضائل و اعمال میں اس روایت پر کلام کیا ہے۔)

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس روایت کے مطابق سوتے سوتے بستر سے اٹھ کر قبرستان تشریف لے گئے اور مردوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ سوال یہ ہے کہ مردے اگر آتے تو آپ وہاں کیوں جاتے؟ پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات نہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کو بیدار کیا او نہ کسی صحابی کو جگایا، یا بتایا کہ اٹھو آج روحیں آتی ہیں، ان کے لیے دسترخوان جوڑو، سوچئے کہ جو بات اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و اسلاف نے بیان نہیں کی اس کو عقیدہ بنانا اور خرافاتی کام کرنا، کہاں تک درست؟ پھر یہ کام عقل کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ جو لوگ مر گئے وہ اگر دوزخی ہیں تو وہ اس رات کس طرح چھٹکارہ پا کر گھروں کو آسکتے ہیں؟ اور اگر وہ لوگ جنتی ہیں تو کیا جنت کی نعمتیں و لذتیں چھوڑ کر دنیا کی یہ حقیر چیزیں کھانے آئیں گے؟ پھر سوچئے کہ کیا وہ جنت سے سگریٹ اور بیڑی کا مزہ لینے یہاں آئیں گے۔ کس قدر عقل کے خلاف ہے یہ عقیدہ و عمل۔ افسوس کہ دنیا کے معاملات میں لوگ بڑے عقل مند ہو جاتے ہیں؛ مگر دین کے معاملے میں بے عقل بن جاتے ہیں۔ غرض یہ عقیدہ اور اس پر متفرع اعمال و افعال بھی غیر اسلامی ذہن کی پیداوار ہیں۔ لہٰذا یہ بھی قابل ترک ہے۔

اس سلسلہ کا ایک اور بے ہودہ خیال لوگوں میں رائج ہے۔ وہ یہ کہ شب برأت سے

پہلے جوکوئی مرجائے وہ اس وقت تک مردوں میں شامل نہیں ہوتا جب تک کہ شب برأت میں اسکے لیے فاتحہ نہ کی جائے ۔ یہ بھی محض فضول خیال اور بے اصل عقیدہ ہے، پھر مردوں میں شامل نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ زندوں میں شامل رہتا ہے؟ غرض یہ بھی غلط وفاسد عقیدہ ہے۔ (جواہر شریعت مجموعہ رسائل جلدنمبر 3،ص/368)

مومن کی روح کیسے نکلتی ہے؟

سکرات کے عالم میں شیطان کے وسوسوں کو دور کرنے کے لئے زندگی میں ایمان کی پختگی اور اعمالِ صالحہ کے ذریعے شیطان پر قابو پانے کی ضرورت ہے۔ موت کی تکلیف یا شیطان کے وسوسوں کی وجہ سے جو ایمان کا دامن چھوڑ دیں گے وہ نا کام ہوجائیں گے۔ ایسے کافروں کے پاس جب فرشتے روح قبض کرنے کے لئے پہنچتے ہیں تو انہیں عذاب، ہلاکت اور اللہ کے غیض وغضب کی خبر دیتے ہیں، یہ سن کر کافر کی روح اس کے جسم میں بھاگتی ہے اور نکلنے سے انکار کرتی ہے تو فرشتے اس کے چہرے اور سرین پر مارتے ہیں۔ اس کے برعکس فرشتے جب اہل ایمان کی روح قبض کرنے کے لئے آتے ہیں تو انہیں جنت کی خوش خبری دیتے ہیں، جسے سن کر مومن کی روح آسانی سے نکل جاتی ہے۔ (ایمان اور اعمال حسنہ،ص/55)

ملک الموت کی روح کون قبض کرے گا؟

روح قبض کرنے والے فرشتوں کو اخیر میں اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں گے، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ اپنی روح خود ہی قبض کرلیں گے۔

فيقول: من بقي من خلقي؟ فيقول: سبحانك ربي تباركت وتعاليت، بقي

جبرئیل وملک الموت، فیقول: مت ملک الموت، فیموت۔(تفسیر الخازن، سورۃ النمل، تحت رقم الآیۃ:۸۷، مکتبہ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۹۴، مدارک ۴/ ۶۲)

کسی کے اوپر کسی بزرگ کا سایہ یا روح آنے کی تحقیق

کسی کے اوپر کسی مردہ روح (یا کسی بزرگ کی روح اور سایہ آنا) جیسا کہ عوام میں مشہور ہے صحیح نہیں، کیوں کہ قرآن میں ہے کہ کافر موت کے بعد کہتا ہے:

رَبِّ ارْجِعُوْن لَعَلِّیْ أَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا إِنَّہَا کَلِمَۃٌ ہُوَ قَائِلُہَا وَمِنْ وَّرَائِہِمْ بَرْزَخٌ إِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْن۔(سورۂ مؤمنون:۹۹،۱۰۰)

اے میرے رب! مجھ کو پھر واپس بھیج دیجیے، تا کہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کروں۔ ہرگز نہیں۔ یہ ایک بات ہی بات ہے جس کو یہ کہے جا رہا ہے، اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت اور قیامت کے درمیان وہ ایسی حالت میں رہتے ہیں کہ ان کو دنیا میں آنے کی تمنا ہوتی ہے، لیکن برزخ درمیان میں حائل ہے اور وہ دنیا میں آنے سے باز رکھتا ہے۔

اور عقلاً بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مردہ تنعُّم (یعنی نعمت اور راحت) میں ہے تو اُسے یہاں آکر کسی سے لپٹنے پھرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر عذاب میں مبتلا ہے تو عذاب کے فرشتے اس کو کیوں کر چھوڑ سکتے ہیں کہ وہ دوسروں کو لپٹتا پھرے۔(اشرف العملیات، ص/117)

روحوں کا لشکر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا روحیں جسموں میں داخل

کیے جانے سے پہلے لشکر کی طرح ایک جگہ مجتمع تھیں اور پھر ان کو الگ الگ کر کے ایک ایک جسم میں داخل کیا گیا چنانچہ جسموں میں داخل ہونے سے پہلے جو روحیں ایک دوسرے کی صفات سے مناسبت و مشابہت رکھنے کی وجہ سے آپس میں مانوس و متعارف تھیں وہ جسموں میں پہنچنے کے بعد اس دنیا میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ محبت و الفت رکھتی ہیں، اور جو روحیں ایک دوسرے سے انجان و نامانوس تھیں وہ اس دنیا میں بھی اختلاف رکھتی ہیں۔ (بخاری)

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ دنیا میں اب تک جتنے اجسام پیدا ہو چکے ہیں یا قیامت تک جتنے پیدا ہوں گے ان سب کی روحین اپنے جسمانی وجود سے بھی بہت پہلے پیدا کی جا چکی تھیں جو عالم ارواح میں جمع ہیں اور دنیا میں جب کسی روح کا جسم پیدا ہوتا ہے تو وہ روح اس جسم میں بھیج دی جاتی ہے چنانچہ ابتداء خلقت میں اور روز ازل اللہ نے اپنی ربوبیت کا عہد اقرار کرنے کے لیے جب پوری کائنات انسانی کی روحوں کو چیونٹیوں کی صورت میں جمع کیا تو اس وقت وہاں جو روحیں آپس میں ایک دوسرے سے مانوس و متعارف ہوئیں اور جن روحوں کے درمیان صفات کی مناسبت اور موانست پیدا ہوئی یا جو روحیں آپس میں نامانوس ہو چکی اور جن روحوں کے درمیان اختلاف و تفرقہ رہا وہ دنیا میں بھی اپنے اجسام میں آنے کے بعد آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت و موانست ایک دوسرے کی صفات سے مناسبت و مشابہت رکھتے ہیں لہذا جیسے نیک لوگ اور اچھے ہوتے ہیں وہ نیک اور اچھے لوگوں سے محبت تعلق رکھتے ہیں اور جو لوگ فاسق اور بدکار ہوتے ہیں وہ فاسقوں اور بدکاروں کے محبت و تعلق رکھتے ہیں یا جو لوگ اس دنیا میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف و عناد رکھتے ہیں جیسے نیک لوگ برے لوگوں سے اجتناب کرتے ہیں اور برے لوگ نیک لوگوں سے اختلاف کرتے ہیں تو وہ

دراصل اپنی روحوں کے ازلی اتحاد وموانست یا اختلاف کا مظہر ہیں۔ روز ازل میں جن روحوں میں محبت وموانست تھی ان کے درمیان دنیا میں بھی محبت وموانست ہے اور جن روحوں میں وہاں اختلاف تھا وہ یہاں بھی اختلاف وعناد رکھتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ روحوں کے درمیان جو روز ازل جو تعارف وتعلق پیدا ہو گیا تھا اس کا ظہور دنیا میں الہام خداوندی کے سبب ہوتا ہے بایں طور کہ جب روحیں اس دنیا میں اپنے جسموں میں آتی ہیں تو اللہ ان کی وہاں روز ازل کی محبت کے سبب یہاں دنیا میں بھی ان لوگوں کے دل میں محبت ڈال دیتا ہے۔

روح کی حقیقت کا ادراک نہیں کیا جا سکتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ یہودیوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کرنے پر بس اتنا فرمادیا کہ: قل الروح من أمر ربی۔

آپ فرمادیجیے کہ روح اللہ تعالی کے حکم سے پیدا شدہ ایک چیز ہے۔

اس کی حقیقت وماہیت کو بیان نہیں فرمایا۔

البتہ علماء نے روح کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ روح ایک جسمِ لطیف ہے اور اس جسمِ عنصری کے مخالف ہے، زندہ متحرک ہے جو تمام اعضاء بدن میں سرایت کرتا ہے، بدن میں اس کا سرایت کرنا ایسا ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی، زیتون میں روغن اور کوئلہ میں آگ، جسم کی شکل کے مطابق روح کی بھی لطیف صورت ہے، روح کی بھی دو آنکھیں ہیں، کان ہیں ہاتھ اور پاؤں ہیں؛ بلکہ روح کے ہر عضو کی نظیر بدنِ انسانی میں موجود ہے۔ (تحفۃ القاری شرح بخاری: ۲ / ۴۴ بحوالہ دلائل السلوک: ۵۵)

روح کو جب بدن میں داخل کیا جاتا ہے تو بدن کی خصوصیات سامنے آتی ہیں مثلاً: بچپن، جوانی بڑھاپا اور بچپن میں ذہن، عقل فہم ادراک وغیرہ کا ناقص ہونا پھر رفتہ رفتہ عمر

کے ساتھ ترقی کرنا وغیرہ یہ بدن کی خصوصیات ہیں ورنہ روح تو اپنی پیدائش کے وقت سے ہی عاقل و بالغ اور ذی فہم ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو" اَلست بربکم" کے جواب میں "بلی" کیوں کہتی ،سوال سننا، سمجھنا اور جواب دینا روح کے پیدائشی عاقل و بالغ ہونے کی دلیل ہے۔ جہاں تک نفس کا تعلق ہے تو نفس روح ہی کا دوسرا نام ہے۔

اعادہ روح پر دوسری قرآنی دلیل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

حَتَّى إِذَا جَاء أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونَ۔(المؤمنون:99)

ان میں سے کسی کو موت آتی ہے، تو وہ کہتا ہے: اے اللہ! مجھے واپس لوٹا دیجئے۔

مرنے کے بعد وہی کہہ رہا ہے جس کو موت آئی ہے۔ تو روح اور جسم کے مجموعے کو آئی تھی۔ کیونکہ جب زندہ تھا تو روح و جسم کا مجموعہ تھا! اکیلا جسم نہیں تھا، نہ ہی اکیلی روح تھی۔ مرنے کے بعد روح اور جسم کا مجموعہ یہ کلمات کہہ رہا ہے۔ تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد روح اور جسم اکھٹے ہوتے ہیں۔ تو روح کا لوٹنا بھی قرآن مجید سے ثابت ہو گیا۔ اس میں اشکال والی بات ہی کوئی نہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ اس کی روح کہتی ہے: مجھے واپس جسم میں لوٹا دو۔ عجیب عجیب قرآن کی تاویل کرتے ہیں۔ سچ کہا تھا کسی نے:

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے کر دیتے ہیں قرآن کو پاژند

اللہ نے یہ تو نہیں کہا کہ جب ان میں سے کسی موت آتی ہے تو قال روحہ اس کی روح کہتی

ہے: مجھے لوٹاؤ۔ روح کا لفظ تو اللہ نے نہیں بولا، اپنی طرف سے لگا رہے ہیں۔ اللہ کہہ رہا ہے کہ جس کو موت آئی تھی وہی کہہ رہا ہے کہ مجھے لوٹاؤ تاکہ میں نیک اعمال کروں۔ اللہ فرمائے گا:

كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ۔(المؤمنون:100)

ہرگز ایسا نہیں ہوگا ہاں! یہ بول یہ ضرور بولے گا۔ ان کے اور دنیا کے درمیان قیامت تک کے لیے اب ایک آڑ اور برزخ ہے۔ تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے کہ بندے کے جسم میں روح لوٹتی ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح لفظوں میں فرمایا ہے: "فتعاد روحه في جسده"، بندہ نیک ہو بد ہو، دونوں کی روح مرنے کے بعد جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔

(سنن ابی داؤد(4753)،مسند احمد(389،ط:الرسالۃ)

نابالغ بچوں کے انتقال کے بعد ان کے جسم اور روح کے ساتھ قبر اور برزخی زندگی میں کیا معاملہ ہوتا ہے؟

نابالغ بچوں کی روحیں فوت ہوتے ہی جنت منتقل کر دی جاتی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نگرانی میں رہتی ہیں۔ جہاں تک والدین کے مرنے کے بعد ان سے ملاقات کا مسئلہ ہے تو یہ ناممکن تو نہیں؛ البتہ واقع میں ملاقات ہوتی ہے یا نہیں اس کی صراحت ہمیں نہیں مل سکی؛ البتہ آخرت میں ان سے ملنا اسی طرح ان کا اپنے گنہگار والدین کی سفارش کرنا ثابت ہے۔

عن أبی هريرة، عن النبی صلی الله عليه وسلم - فيما أعلم شك موسى - قال: ذراری المسلمين فی الجنة، يكفلهم إبراهيم۔ (مسند أحمد مخرجا 14 / 71، الناشر: مؤسسة الرسالة)

قال: قالا لی: انطلق انطلق، فانطلقنا، فأتينا على روضة معتمة، فيها من كل لون الربيع، وإذا بين ظهرى الروضة رجل طويل، لا أكاد أرى رأسه

طولا فی السماء، وإذا حول الرجل من أكثر ولدان رأيتهم قط " قال: " قلت لهما: ما هذا ما هؤلاء؟... وأما الرجل الطويل الذى فى الروضة فإنه إبراهيم صلى الله عليه وسلم، وأما الولدان الذين حوله فكل مولود مات على الفطرة " قال: فقال بعض المسلمين: يا رسول الله، وأولاد المشركين؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وأولاد المشركين۔(صحیح البخاری:2/1043-1044)

قال تعالیٰ:وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم۔(الطور:21)

وعن ابن عباس أيضا أنه قال: إن الله ليلحق بالمؤمن ذريته الصغار الذين لم يبلغوا الايمان، قاله المهدوى۔(تفسیر القرطبی 17/67،الناشر: دار الکتب المصریۃ-القاہرۃ)

عن أبى حسان، قال: قلت لأبى هريرة: إنه قد مات لى ابنان، فما أنت محدثى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بحديث تطيب به أنفسنا عن موتانا؟ قال: قال: نعم، صغارهم دعاميص الجنة يتلقى أحدهم أباه - أو قال أبويه -، فيأخذ بثوبه - أو قال بيده -، كما آخذ أنا بصنفة ثوبك هذا، فلا يتناهى - أو قال فلا ينتهى - حتى يدخله الله وأباه الجنة۔(صحیح مسلم ۲/۳۳۱)

کیا فوت شدہ نابالغ بچوں کی ارواح ملاقات کے لیے دنیا آتی ہیں؟

مسلمانوں کے نابالغ بچوں کی ارواح فوت ہونے کے بعد جنت منتقل کردی جاتی ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نگرانی میں رہتی ہیں، اور پھر یہ بچے قیامت کے دن اپنے آباؤاجداد کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے، اور آخرت میں اپنے والدین کی سفارش کا ذریعہ بھی بنیں گے، البتہ ان کی ارواح کا دنیا کی طرف آنا ثابت نہیں ہے، اس لئے یہ عقیدہ رکھنا درست نہیں۔(رقم الحدیث:7047،ط:دارالمعرفۃ بیروت)

رشتہ داروں سے عالمِ برزخ اور جنت میں ملاقات

عن أبي هريرة، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " إذا حضر المؤمن أتته ملائكة الرحمة بحريرة بيضاء فيقولون: اخرجي راضية مرضيًا عنك إلى روح الله، وريحان، ورب غير غضبان، فتخرج كأطيب ريح المسك، حتى أنه ليناوله بعضهم بعضًا، حتى يأتون به باب السماء فيقولون: ما أطيب هذه الريح التي جاءتكم من الأرض، فيأتون به أرواح المؤمنين فلهم أشد فرحًا به من أحدكم بغائبه يقدم عليه، فيسألونه: ماذا فعل فلان؟ ماذا فعل فلان؟ فيقولون: دعوه فإنه كان في غم الدنيا، فإذا قال: أما أتاكم؟ قالوا: ذهب به إلى أمه الهاوية، وإن الكافر إذا احتضر أتته ملائكة العذاب بمسح فيقولون: اخرجي ساخطةً مسخوطًا عليك إلى عذاب الله عز وجل، فتخرج كأنتن ريح جيفة، حتى يأتون به باب الأرض، فيقولون: ما أنتن هذه الريح حتى يأتون به أرواح الكفار۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس وقت کوئی مومن بندہ مرنے کے قریب ہوتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا لے کر آتے ہیں اور (روح سے) کہتے ہیں کہ نکل جاؤ، تو اللہ سے رضامند ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ سے رضامند ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جانب اور اس کے رزق کی جانب اور اپنے پروردگار کی جانب جو کہ غضب ناک نہیں ہے، پھر وہ روح اس طرح معطر حالت میں نکل جاتی ہے جس طریقہ سے عمدہ خوش بودار مشک، اور فرشتے ہاتھ در ہاتھ اسے اٹھاتے ہوئے آسمان کے دروازے پر لے جاتے ہیں تو (آسمان والے) فرشتے کہتے ہیں: کیا (عمدہ) خوش بو ہے جو کہ زمین سے آئی ہے، پھر اس کو اہل ایمان کی ارواح

کے پاس لاتے ہیں، تو وہ ارواح خوش ہوتی ہیں اس سے زیادہ جو کہ تم کو کسی بچھڑے ہوئے شخص کی آمد سے ہوتی ہے، پھر وہ (پہلے سے موجود مؤمنین) اس (آنے والے) سے دریافت کرتے ہیں: فلاں آدمی نے کیا کیا؟ اور فلاں آدمی کا کیا ہوا؟ یعنی جس شخص کو وہ لوگ دنیا میں چھوڑ کر گئے تھے اب وہ کس طرح کے کام میں مشغول ہے؟ پھر (خود ہی ان میں سے چند) ارواح کہتی ہیں: (ابھی ٹھہر جاؤ) اس کو چھوڑ دو، یہ دنیا کے غم میں مبتلا تھا، یہ روح کہتی ہے: کیا وہ شخص تم لوگوں کے پاس نہیں پہنچا؟ (وہ تو مر چکا تھا) تو اس پر وہ روحیں کہتی ہیں: (اس کا مطلب) وہ شخص تو جہنم میں گیا ہوگا۔ اور جس وقت کافر کی موت آتی ہے تو عذاب کے فرشتے ایک ٹکڑا کاٹ کر لے کر آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ تو نکل کر باہر آجا (اور چل) اللہ کے عذاب کی طرف اس حال میں کہ تو اللہ تعالیٰ سے ناراض ہے اور تجھ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے، پھر وہ روح نکلتی ہے اس طرح سے کہ جس طرح سڑے ہوئے مردار کی بدبو ہوتی ہے، یہاں تک کہ زمین کے دروازے پر اس کو لاتے ہیں تو وہاں مامور فرشتے کہتے ہیں: کتنی (گندی) بدبو ہے!!! پھر اس کو کفار اور مشرکین کی ارواح میں لے جاتے ہیں۔

اور اہلِ جنت کے بارے میں قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ۔ (الطور:21)

ترجمہ: اور جو لوگ یقین لائے اور ان کی راہ پر چلی ان کی اولاد ایمان سے، پہنچا دیا ہم نے ان تک ان کی اولاد کو، اور گھٹایا نہیں ہم نے ان سے ان کا کیا ذرا بھی، ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے۔

نیز جنت کے عمومی انعامات میں اس کا ذکر ہے کہ جو بات جنتی چاہے گا، اللہ اسے پورا کریں گے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انسان دنیا میں جس سے محبت رکھے گا آخرت میں اس کے ساتھ ہوگا؛ لہذا ایمان کی حالت میں مرنے والے رشتہ داروں اور اقرباء سے میل ملاقات کے لیے بھی جنت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

نَحۡنُ أَوۡلِيَاؤُكُمۡ فِي الۡحَيَاةِ الدُّنۡيَا وَفِي الۡآخِرَةِ وَلَكُمۡ فِيهَا مَا تَشۡتَهِي أَنۡفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ۔ (فصلت:31)

ترجمہ: ہم ہیں تمہارے رفیق دنیا اور آخرت میں اور تمہارے لیے وہاں ہے جو چاہے جی تمہارا اور تمہارے لیے وہاں ہے جو کچھ مانگو۔

کیا جانور پرندے اور کیڑے مکوڑے کی روحیں بھی ملک الموت قبض کرتا ہے؟

بعض نصوص سے اس بات کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے کہ تمام ذوی الارواح کی روحوں کے قبض کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالی نے ملک الموت کو سونپی ہوئی ہے، چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ ملک الموت نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میں ایک مچھر کی روح بھی اللہ کے حکم کے بغیر اپنی مرضی سے قبض نہیں کرسکتا۔

امام قرطبی اس کے ذیل میں فرماتے ہیں: اس حدیثِ مبارک سے پتا چلتا ہے کہ ہر ذی روح کی روح کو قبض کرنے کی ذمہ داری اللہ نے ملک الموت کو دی ہوئی ہے۔ نیز امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ آیا مچھروں کی روح بھی ملک الموت قبض کرتے ہیں؟ تو انھوں نے دریافت کیا کہ کیا ان میں جان ہے؟ جواب دیا گیا: جی ہاں، تو آپ نے فرمایا کہ بس پھر ان کی جان بھی ملک الموت ہی قبض کرتے ہیں؛ کیوں کہ قرآن میں ہے: {اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا}

الذي دلت عليه الأحاديث أن ملك الموت يقبض جميع أنواع الحيوانات من بني آدم وغيرهم من ذلك قوله مخاطباً لنبينا صلى الله عليه وسلم: "والله يا محمد! لو أني أردت أقبض روح بعوضة ما قدرت على ذلك حتى يكون الله هو الآمر بقبضها". قال القرطبي : وفي هذا الخبر ما يدل على أن ملك الموت هو الموكل بقبض كل ذي روح، وأن تصرفه كله بأمر الله عز وجل وبخلقه واختراعه. ومن ذلك ما في خبر الإسراء عن بن عباس رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال عن نفسه: "فقلت: يا ملك الموت! كيف تقدر على قبض أرواح جميع من في الأرض برها وبحرها؟... " الحديث. وذكر أبو نعيم عن ثابت البناني قال: "الليل والنهار أربع وعشرون ساعةً ليس منها ساعة تأتي على ذي روح إلا وملك الموت قائم عليها فإن أمر بقبضها قبضها وغلا ذهب". قال القرطبي أيضاً: وهذا عام في كل ذي روح ومن ثم لما سئل مالك رضي الله عنه عن البراغيث أن ملك الموت هل يقبض أرواحها؟ أطرق ملياً، ثم قال: ألها نفس؟ قيل: نعم! قال: ملك الموت يقبض أرواحها؛ الله يتوفى الأنفس حين موتها۔(الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيتمي (ص: 8)

تفسیر ابن کثیر میں علّامہ عمادالدین ؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى۔

اى من شأنه وماستأثرالله بعلمه دونكم ولهذا قال :(وما اوتيتم من العلم الا قليلا)اى وما اطلعكم من علمه الا على القليل فانه لا يحيط احد بشئ من علمه الا بما شاء تبارک وتعالىٰ ،والمعنى ان علمكم فى علم الله الا قليل وهذا الذى تسائلون عنه من امرالروح مما استأثرَ به تعالىٰ ولم يطلعكم عليه كما انه لم يطلعكم الا على القليل من علمه تعالىٰ۔

یعنی روح کا معاملہ اور مسئلہ اللہ کے ان مسائل میں سے ہے، جو اس نے اپنے لئے خاص کرلیا ہے، بندوں کو اس سے کوئی مطلب نہیں، اور بندہ کو اللہ نے اپنے علوم میں سے تھوڑا سا ہی علم دیا ہے، اسی لئے بندہ کے پاس اتنا ہی علم ہے جتنا عطا کیا گیا ہے، اور جو اللہ کے مرضی کے مطابق ملا ہے، مطلب یہ ہے کہ لوگوں کا علم اللہ کے علم مقابلے میں بہت معمولی ہے، اور یہ جو تم لوگ روح کے بارے میں سوال کرتے ہو یہ ان علوم میں سے ہے جسے اللہ نے تمہیں نہیں بتایا ہے، جیسا کہ اس نے تمہیں اپنے لامحدود علوم میں سے تھوڑے سے علم سے نوازا ہے۔ (ابن کثیر ص/ 601، جلد دوم، جدید محقق سورۃ الاسرار)

مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن میں فرماتے ہیں:

قرآن کریم نے اس سوال کا جواب مخاطب کی ضرورت اور فہم کے مطابق دے دیا، حقیقت روح کو بیان نہیں فرمایا، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح کی حقیقت کوئی انسان سمجھ نہیں سکتا، اور یہ کہ خود رسول ﷺ کو بھی اس کی حقیقت معلوم نہیں تھی، صحیح بات یہ ہے کہ نہ یہ آیت اسکی نفی کرتی ہے، نہ اثبات۔ اگر کسی نبی یا رسول کو وحی کے ذریعہ یا کسی ولی کو کشف والہام کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہوجائے تو اس آیت کے خلاف نہیں بلکہ عقل وفلسفہ کی رو سے بھی اس پر کوئی بحث وتحقیق کی جائے تو اس کو فضول اور لایعنی تو کہا جائے گا، مگر ناجائز نہیں کہا جاسکتا، اسی لئے بہت سے علماء ومتقدمین ومتاخرین نے روح کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ (معارف القرآن، ص/ 516، سورۃ الاسراء)

مردہ قبر پر آنے والے کو دیکھتا اور اس کا کلام بھی سنتا ہے

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان کسی ایسے شخص کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس سے زندگی میں اس کی جان

پہچان تھی اور اس پر سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں روح ڈال دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے، مختلف اسناد سے بخاری و مسلم شریف میں ہے کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بدر کے مقتول ایک گڑھے میں دفن کر دئے گئے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گڑھے کے نزدیک آ کر کھڑے ہوئے اور ان کے نام پکار کر فرمایا: کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پالیا؟ میں تو سچا پالیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ان سے گفتگو فرما رہے ہیں، جن کی لاشیں بھی سڑ چکیں؟ فرمایا: اس کی قسم جس نے مجھے سچا رسول بنا کر بھیجا ہے، میری بات تم بھی ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر یہ جواب نہیں دے سکتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ جب دفن کے بعد لوگ واپس آتے ہیں تو مردہ ان کی قدموں کی آواز سنتا ہے، اس کے علاوہ آپ نے اپنی امت کو یہ بھی تعلیم دی ہے کہ جب وہ مردوں کو سلام کریں تو خطاب کے ساتھ سلام کریں یعنی: (السلام علیکم دار قوم مومنین) اے مومنو! سلامتی ہو تم پر۔

اس قسم کا تخاطب اسی سے کیا جاتا ہے جو سن سکتا ہو اور سمجھ سکتا ہو اور سمجھتا ہو ورنہ یہ خطاب ایسا ہوگا جیسا غیر موجود اور بے جان ہستی سے ہوتا ہے، (جو صحیح نہیں) اسلاف اس پر متفق ہے کہ مردے زیارت کرنے والوں کو پہچانتے اور ان سے خوش ہوتے ہیں۔ (کتاب الروح، صفحہ، ۲۱، لابن قیمؒ)

ارواح باہم ملاقات و مذاکرات بھی کرتی ہیں

یہ بھی ایک اہمیت کا حامل بڑا عظیم مسئلہ ہے۔ روحوں کی دو اقسام ہیں۔

(۱) سجین والی روحیں۔

(۲) علیین والی روحیں۔

سجین والی روحیں تو عذاب میں ماخوذ ہیں۔انہیں ملنے جلنے کی فرصت کہاں لیکن جو راحت والی اور آزاد ارواح ہیں وہ باہم ملتی جلتی ہیں اور دنیا میں ان پر جو واقعات گزر رہے ہیں انہیں یاد کرتی ہیں،اوران واقعات پر بھی بات چیت کرتی ہیں جو اہل دنیا کو پیش آتے رہتے ہیں۔

ہر روح اپنی رفیق اور ہم مثل عمل والی روح کے ساتھ ملتی جلتی ہے،اسی لئے پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی روح رفیق اعلیٰ میں ہے،فرمایا: ومن یطع اللہ ورسولہ،الخ اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ کا انعام ہے،یعنی انبیاء،صدیق،شہداء اور نیک حضرات کے ساتھ اور بہترین رفیق ہیں مل جل کر رہنا دنیا میں بھی پایا جاتا ہے اور عالم برزخ و آخرت میں بھی پایا جائے گا ان تینوں گھروں میں انسان اپنے رفقاء کے ساتھ رہتا ہے۔

مسروقؒ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم کو دنیا میں ایک ثانئے کیلئے بھی آپ سے الگ ہونا گوارا نہیں،لیکن دنیا سے رخصت ہونے کے بعد آپ کا مقام ہم سے اونچا ہوگا،اور ہم آپ کو دیکھنے کو ترسیں گے،اس پر آیت مذکورہ بالا اتری۔

امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ ایک انصاری روتے ہوئے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قسم جس کے علاوہ کوئی حقدار عبادت نہیں آپ مجھے میرے اہل وعیال اور مال ومنال سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔اللہ کی قسم! آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔جب آپ مجھے میرے گھر میں یاد آتے ہیں تو آپ کے دیکھے بغیر مجھے چین نہیں آتا۔پھر جب مجھے اپنی اور آپ کی موت یاد آجاتی ہے تو میں سوچتا ہوں کہ مجھے دنیا ہی میں آپ کے ساتھ نصیب ہے،پھر تو آپ کو انبیاء کے ساتھ اٹھا لیا جائے گا،اور اگر میں بہشت میں گیا تو آپ کے مقام

سے نیچے والا مقام ملے گا اس پر آپ نے کچھ جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ مذکورہ بالا آیت اتری، **یا ایتھا النفس المطمئنہ**۔ اے اطمینان والی روح! شاداں وفرحاں اپنے رب کی طرف لوٹ جا، رب بھی تجھ سے راضی ہے اور تو بھی رب سے راضی ہے اور میرے بندوں میں اور میری بہشت میں داخل ہو جا، اور انہیں کے ساتھ مل جل کر رہ، یہ موت کے وقت روح سے کہا جاتا ہے، معراج والے واقعے میں ہے کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام وغیرہ سے ملاقات فرمائی اور کچھ دیر تک تنیوں میں گفتگو رہی۔ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی؟ لیکن آپ کو اس کا علم نہ تھا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ایک وعدہ فرمایا ہے، پھر آپ نے دجال کا ظہور کا ذکر کیا اور فرمایا پھر میں (آسمان سے) اتروں گا اور اسے قتل کروں گا، اور لوگ اپنے اپنے شہروں کے طرف لوٹ جائیں گے، انہیں یاجوج ماجوج ملیں گے جو ہر بلندی سے اٹھ رہے ہوں گے، پانی سے گزریں گے تو اسے پی کر خشک کر دیں گے، غرضیکہ جس چیز سے گزریں گے اسے تہس نہس کر ڈالیں گے، لوگ میرے پاس ان کی شکایت لائیں گے، میں اللہ سے ان کے حق میں بددعا کروں گا، اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا، زمین بھی اس کی بدبو کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کرے گی اور لوگ بھی مجھ سے شکوہ کریں گے آخر میں اللہ سے دعا کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ پانی برسائے گا جن سے ان کی لاشیں بہہ کر سمندر میں چلی جائیں گے، پھر پہاڑ ہموار کر دئے جائیں گے اور زمین چمڑے کی طرح کھینچ دئے جائی گی، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ جب یہاں تک نوبت آ جائے گی تو قیامت پورے دنوں

کی حاملہ جیسی ہوگی، کہ نہ معلوم صبح وشام میں کس وقت اس کے بچہ پیدا ہو جائے، یہ حدیث اجتماع ارواح پر اور مذاکرہ علم پر کھلی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے، وہ اپنے پسماندگان سے خوش ہوتے ہیں اور اللہ کی نعمت اور اس کے فضل سے بھی، اس سے تین صورتوں سے روحوں کی آپس میں ملاقات کا ثبوت ملتا ہے، چونکہ انہیں رزق دیا جاتا ہے، اور زندہ ہیں لہذا آپس میں ملتے جلتے ہیں، نیز اپنے بھائیوں ک ءآنے سے اور ان کی ملاقات سے خوش ہوتے ہیں، اس کے علاوہ لغت میں: استبشار تباشر، کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی ایک دوسرے کو خوشخبری سنانا ہے۔ خوابوں کے تواتر سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔ (کتاب الروح، صفحہ ۳۹، ابن قیمؒ)

مردہ ایک دوسرے کو ایسے پہچان لیتے ہیں جیسے درخت پر پنچھی پہچان لئے جاتے ہیں

ابولہیہؒ سے روایت ہے کہ بشر بن معرور کی وفات سے ام بشر کو سخت دکھ ہوا اور بولیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرنے والا خاندان سلمۃ ہی سے زیادہ تر مرتا ہے، کیا مردے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو میں بشر کو سلام بھیج دوں۔ فرمایا: ہاں ام بشر اللہ کی قسم! مردے ایک دوسرے کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے درختوں پر پنچھی پہچان لئے جاتے ہیں، پھر تو خاندان سلمۃ کا جو آدمی فوت ہوتا ام بشر اسی کے پاس جا کر سلام کے بعد کہتیں کہ بشر سے میرا اسلام کہہ دینا، عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ ارواح خبروں کے انتظار میں رہتی ہیں پھر جب ان کے پاس کوئی مردہ آتا ہے تو پوچھتی ہیں کہ فلاں فلاں کا کیا حال ہے؟ یہ کہتا

ہے ٹھیک ٹھاک ہے اگر مر چکا ہوتا ہے تو کہتا ہے کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا، کہتی ہے نہیں۔ یہ انا للہ پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے دوسری راہ پر لے جایا گیا، ہمارے راستے پر نہیں چلا گیا۔ (کتاب الروح،صفحہ ۱۶۵ ابن قیمؒ)

روح روح سے پوچھتی ہے تمہارا ٹھکانہ کونسا ہے

صالح المریؒ سے روایت ہے مجھے خبر ملی ہے موت کے وقت روحیں باہم ملتی ہیں اور آنے والی روح سے پوچھتی ہیں تمہارا ٹھکانا کونسا ہے؟ تم اچھے جسم میں تھیں یا بُرے جسم میں ، پھر صالح کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔

عبید بن عمیرؒ سے روایت ہے کہ ارواح مرنے والے کی روح کو خوش آمدید کہتی ہیں اور اس سے اپنے اعزہ کی خبریں پوچھتی ہیں ، جیسے کوئی پردیسی اپنے عزیزوں کے آنے جانے والوں سے خبریں پوچھا کرتا ہے کہ فلاں فلاں کا کیا حال ہے؟ اگر آنے والی روح کہتی ہے کہ وہ فوت ہو گیا اور ان کے پاس آیا نہیں تو ارواح کہتی ہیں کہ اسے اس کی ماں ہاویہ پہنچا دیا گیا۔

سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو جیسے غائب کا استقبال کیا جاتا ہے اسی طرح اس کا اس کے والد استقبال کرتے ہیں ،عبید بن عمیرؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ اگر میں اپنے گھر والوں کی ارواح کی ملاقات سے مایوس ہوتا تو انتہائی غم کے باعث مرجاتا،رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ قبض کئے جانے کے بعد مومن کی روح کا اللہ کے پاس والے رحمت کے ملائکہ اس طرح استقبال کرتے ہیں جیسے دنیا میں خوشخبری سنائے جانے والے کا استقبال کیا جاتا ہے اور کہتے ہیں ذرا اپنے بھائی کو دم

لینے دو، کیونکہ یہ سخت اضطراب میں تھے، پس اس سے نام لیکر پوچھتے ہیں کہ فلاں مرد یا فلاں عورت کا کیا حال ہے؟ کیا فلا عورت کی شادی ہوگئی؟ پھر جب اس سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھتے ہیں جو اس سے پہلے انتقال کر چکا ہے تو یہ جواب دیتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے فوت ہو چکے، پھر یہ ارواح انا للہ پڑھ کر کہتی ہیں کہ اسے اس کی ماں ہاویہ کی طرف لے جایا گیا، ماں بھی انتہائی بدترین ہے، اور اس کی آغوش میں جانے والا بھی۔ (کتاب الروح صفحہ ۶۱ ابن قیمؒ)

زندہ اور مردہ کی روحوں کی ملاقات بھی آپس میں ہوتی ہیں

اس کے دلائل لاتعداد ہیں اور حس وواقعات سب سے بڑا شاہد ہیں۔ زندوں اور مردوں کی ارواح میں اسی طرح ملاقات ہوتی ہے جس طرح زندوں کی ارواح باہم ملتی جلتی ہیں۔ فرمایا: اللہ یتوفی الانفس حین موتھا الخ، اللہ موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے، اور نیند کے دوران ان ارواح کو بھی جن کی ابھی موت نہیں آئی، پھر جن پر موت کا حکم فرما چکا انہیں روک لیتا ہے، اور دوسری ارواح کو ایک مقررہ مدت تک کیلئے چھوڑ دیتا ہے۔ (زمر: ۴۲)

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ خواب میں زندوں اور مردوں کی ارواح ملتی ہیں، اور ایک دوسرے سے پوچھتی ہیں۔ پھر اللہ مردوں کی روح کو روک لیتا ہے اور زندوں کی روحوں کو چھوڑ دیتا ہے، سدیؒ سے مروی ہے کہ اللہ نیند کی حالت میں روحیں قبض کر لیتا ہے، پھر زندوں اور مردوں کی روحیں مل کر ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں اور مذاکرہ کرتی ہیں، پھر زندوں کی روحیں ان کی جسموں کی طرف لوٹنے کا ارادہ کرتی ہیں تو انہیں روک دیا جاتا ہے، اس آیت کا ایک مطلب تو یہ ہوا کہ جو مر چکا اس کی روح روک لی جاتی ہے اور جو

زندہ ہے اس کی روح جسے نیند میں قبض کیا گیا تھا واپس آنے دیا ہے، اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ روکی ہوئی اور چھوڑی ہوئی دونوں قسم کی روحیں زندوں ہی کی ہیں، پھر جس کی مقررہ مدت پوری ہو چکی اس کی روح روک لی جاتی ہے، اور قیامت سے پہلے جسم کی طرف نہیں لوٹائی جاتی اور جس کا وقت پورا نہیں ہوا اسے اس کی جسم کے طرف معینہ مدت پوری کرنے کیلئے لوٹا دیا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام نے یہی مفہوم پسند فرمایا ہے کہ اسی پر قرآن وحدیث دونوں دلالت کرتے ہیں، کیونکہ اللہ نے جن ارواح کو نیند والی وفات دی ہے ان میں سے جن پر موت کا فیصلہ فرمایا ہے اسی کے روکنے کا حکم فرمایا ہے، رہیں وہ ارواح جنہیں موت کے وقت قبض کیا جاتا ہے انہیں نہ روکنے کا حکم ہے اور نہ چھوڑنے کا۔ بلکہ یہ تیسری قسم ارواح ہیں، لیکن ترجیح پہلے مفہوم کو ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دو وفاتیں بیان کیں، وفات کبریٰ (موت) اور وفات صغریٰ (نیند) اور روحوں کے دو اقسام بیا فرمائیں ایک تو وہ قسم جس پر موت کا حکم صادر ہو چکا انہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس روک لیا اور وفات موت عطا فرمادی اور ایک وہ قسم جس کی ابھی معینہ مدت باقی ہے، انہیں اللہ تعالیٰ نے تکمیل عمر کیلئے ان کے جسم کی طرف لوٹا دیا، اور محولہ بالا وفاتوں کے دو حکم (روکنا اور چھوڑنا) بیان فرمائے اور بتایا کہ زندہ وہ روح ہے جسے نیند والی وفات دی گئی ہے اگر وفات کی صرف دو قسام (وفات موت ،نیند والی وفات) ہوتیں تو، والتی لم تمت فی منامھا۔ لانے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ یہ قبض ہی کے وقت سے مر جاتی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ نہیں مری، تو پھر فیمسک التی قضی علیھا الموت، کیسے درست ہو سکتا؟ جواب دینے والا یہ جواب دے سکتا ہے کہ نیند والی وفات کے بعد اللہ نے موت کا فیصلہ فرمایا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ آیت وفات کی دونوں قسموں کو شامل

ہے، کیونکہ اس میں دو وفاتوں (نیند والی وفات اور وفات موت) کا بیان ہے، پھر مرنے والے کی روح روک لیتا ہے چاہے وہ سوتے سوتے مر جائے یا جاگتے میں اور زندوں و مردوں کی روحوں کے ملنے کا یہ ثبوت بھی ہے کہ زندہ حضرات خواب میں مردوں کو دیکھتے ہیں اور ان سے حالات دریافت کرتے ہیں، اور مردے نامعلوم حالات بتاتے ہیں جن کا مستقبل میں بعینہ ظہور ہو جاتا ہے، اور کبھی ماضی میں بھی ہو چکا ہوتا ہے، کبھی مرنے والا اپنا دفن کیا ہوا مال بتاتا ہے جس کی اس کے علاوہ کسی کو خبر نہیں ہوتی، اور کبھی اپنے قرض کا اطلاع کرتا ہے (کہ میں نے فلاں کا قرض ادا کرنا ہے) اور اس کے قرائن بھی بیان کرتا ہے، کبھی ایسے عمل کی خبر دیتا ہے جس کی اس کے علاوہ کسی کو خبر نہ تھی نہ کبھی یہ بتاتا ہے کہ ہمارے پاس فلاں فلاں وقت آؤ گے اور اس کی خبر سچ ثابت ہو جاتی ہے، کبھی ایسی باتوں کی خبر دیتا ہے جن کے بارے میں زندوں کو یقین ہوتا ہے کہ انہیں اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا، اوپر صعب عوف بن ثابت قیس صدقہ بن سلیمان جعفری شبیب بن شیبہ اور فضل بن موفق کے واقعات لکھے جا چکے ہیں۔ (کتاب الروح صفحہ ۶۳، امام ابن قیمؒ)

کیا نفخ صور کے وقت ارواح زندہ رہیں گی یا مر جائیں گی اور پھر زندہ ہوں گی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ونفخ فی الصور الخ، اور صور پھونکا جائے گا پھر تمام آسمان وزمین والے فوت ہو جائیں گے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے، کچھ کے نزدیک موت سے مستثنیٰ شہید ہیں، کچھ کے نزدیک چاروں بڑے فرشتے، کچھ کے نزدیک روحیں اور جہنمی اور جہنم کے محافظ وغیرہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ نفخ صور کے وقت روحیں اور نابالغ لڑکے نہیں مریں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ، کہ جنتی جنت میں موت نہیں چکھیں

گے، پس انہیں دنیا میں موت آچکی، ورنہ دو موتیں ہو جائیں گی، رہا جہنمیوں کا یہ قول کہ اے رب تو نے ہمیں دوبار موت دی اور دوبار زندگی بخشی اس کی تفصیل بقرہ والی آیت **کیف تکفرون باللہ الخ**، میں ہے، یعنی تم اللہ کا کیسے انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے پھر اللہ نے تمہیں زندگی دی، پھر وہ تمہیں مارے گا اور پھر زندگی دے گا یعنی باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے پیٹوں میں نطفوں کی شکلوں میں مردہ (معدوم) تھے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زندگی بخشی پھر مار کر قیامت کے دن زندگی بخش دے گا، اس آیت میں قیامت سے پہلے نفخ صور سے روحوں کو مارنا مطلب نہیں ہے ورنہ تین موتیں جمع ہو جائیں گی، نفخ صور کے وقت روحوں کے بے ہوش ہو جانے سے ان کی موت لازم نہیں آتی۔ (کتاب الروح، صفحہ ٦٧، لابن قیمؒ)

موت عدم نہیں ہے بلکہ انتقال مکانی ہے

اس سلسلہ میں علّامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ: ہمارے شیخ احمد بن عمرو کا بیان ہے کہ یہ مشکل ان شاء اللہ اس بیان سے حل ہو جائے گی کہ موت عدم نہیں ہے بلکہ مکان منتقل کرنا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ شہید قتل و موت کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور دنیا کے دوست اور قریبی رشتہ داروں سے بھی خوش ہوتے ہیں پھر جب شہداء کی برزخی زندگی ہے تو انبیاء سب سے پہلے اس کے حق دار ہیں، مزید برآں رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ زمین انبیاء کے اجسام نہیں کھاتی ہے، اور یہ بھی کہ شب اسرا میں آپ بیت المقدس میں نبیوں کی اجتماع میں شریک ہوئے اور آسمان میں بھی نبیوں سے ملاقات ہوئی، خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور یہ بھی

کہ آپ نے فرمایا جو مسلمان مجھے سلام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سلام کے جواب دینے کیلئے میری روح مجھے واپس کر دیتا ہے، وغیرہ، ان تمام باتوں سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ انبیاء برزخی زندگی سے زندہ ہیں، اب جبکہ ان کی زندگی ثابت ہوگئی تو جب بے ہوشی کا صور پھونکا جائے گا تو تمام آسمان وزمین والے بے ہوش ہو جائیں گے سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ ان کی پہلی حالت پر برقرار رکھے اس لئے غیر انبیاء کی بے ہوشی تو موت ہے اور انبیاء صرف بے ہوش ہوں گے، پھر جب موت کے بعد زندگی کا صور پھونکا جائے گا تو مرنے والے زندہ ہو جائیں گے اور انبیاء کو ہوش آ جائے گا، اسی وجہ سے آپ نے ایک صحیح حدیث میں فرمایا کہ سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا، اسلئے ہمارے محبوب نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ سب سے پہلے اپنی قبر سے باہر تشریف لائیں گے، آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں شک ہے کہ آیا وہ اپنی پہلی حالت پر برقرار رہے اور بے ہوش ہی نہیں ہوئے، یا بے ہوش تو ہوئے مگر آپ سے پہلے ہوش میں آ گئے، اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بڑی فضیلت ثابت ہوئی، لیکن ایک فضیلت سے ان کا ہمارے نبیؐ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا، چونکہ جزئی فضیلت کلی فضیلت کو لازم نہیں۔

قرطبی سے مروی ہے کہ اگر حدیث سے قیامت کے دن موقف والی بے ہوشی مراد ہو تو کوئی مشکل نہیں، اور اگر اس سے نفخ صور والی موت مراد ہو تو قیامت کا ذکر قیامت کے آثار کے اعتبار سے ہے، کیونکہ نفخ صور سے قیامت کی ابتداء ہو جائے گی، اس صورت میں یہ معنیٰ ہوں گے کہ جب موت کے بعد کی زندگی کا صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے میں سر اٹھاؤں گا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ پکڑے ہوئے پاؤں گا، میری رائے میں نفخ صور

والی موت مراد نہیں ہے، کیونکہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں شک ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوئے یا نہیں؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ مجھے سب سے پہلے ہوش آئے گا، معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے ہوش آئے گا، اگر حدیث سے موت کی بے ہوشی مراد ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی موت کا یقین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت میں شک ہوتا، لیکن یہ بات بہت سی دلیلوں سے غلط ہے، پتہ چلا کہ یہاں موت مراد نہیں، بلکہ موقف والی بے ہوشی مراد ہے، اس صورت میں آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ موت والے صور سے روحیں مر جائیں گی، ہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام زندہ مخلوق مر جائے گی، لیکن جو پہلے مر چکے یا جن پر موت نہیں اس آیت سے ان پر موت ثابت نہیں ہوتی۔ (کتاب الروح، صفحہ ۶۹، ابن قیمؒ)

اجسام سے جدا ہونے کے بعد ارواح کیسے پہچانی جاتی ہیں؟

اجسام سے علیحدہ ہونے کے بعد ارواح کیسے پہچانی جاتی ہیں کہ ان میں آپس میں تعارف وملاقات ہو؟ کیا علیحدہ ہونے کے بعد ارواح کی اجسام والی صورتیں ہوتی ہیں؟ اس مسئلہ پر غالباً آج تک کسی نے روشنی نہیں ڈالی، اور نہ اس بارے میں کسی کتاب میں کوئی مفید یا غیر مفید مضمون لکھا گیا ان کے اصول پر جو ارواح کو مادے اور اس کی آلودگی سے مجرد مانتے ہیں، اور یہ بھی کہ ارواح نہ عالم کے اندر ہیں نہ باہر، اور یہ بھی کوئی ان کی شکل وصورت اور سائز نہیں، اس سوال کا جواب کوئی نہیں، اس کے علاوہ ان کے عقائد پر بھی کوئی جواب نہیں جو ارواح کو عوارض اجسام سے مانتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان کی تشخیص وامتیاز اجسام ہی کے

ساتھ ہوتا ہے، لہذا موت کے بعد ان میں کوئی تشخیص اور چناؤ نہیں رہتا بلکہ دوسرے عوارض کی طرح ان کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے، اور عدم کے سخت اندھیروں میں ڈوب جاتی ہیں، البتہ اہل سنت کے اصول پر اور اس بات کے ماننے پر کہ روح خود ایک مستقل چیز ہے جو آتی جاتی ہے، چڑھتی اترتی ہے، ملتی اور جدا ہوتی ہے، اندر باہر آتی جاتی ہے، اور اس میں حرکت وسکون پایا جاتا ہے، اس کا جواب ہے جس پر قرآن وحدیث سے اور قیاس وعقل سے سو سے اوپر دلائل قائم ہیں، ہم نے اپنی بڑی کتاب معرفۃ الروح والنفس میں اس پر بہت زیادہ روشنی ڈالی ہے، اور مخالفوں کی رائے کی غلطی بہت سے دلائل سے ثابت کی ہے، اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ جو ہماری رائے نہیں مانتے وہ اپنے نفسوں سے واقف نہیں۔ (کتاب الروح، صفحہ ۷۱، ابن قیمؒ)

نیک روح اور بُری روح کا حشر

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیلی روشنی ڈال کر ہمیں لوگوں کے اقوال سے بے تعلق کر دیا ہے، اور روح کے لوٹائے جانے کی وضاحت فرما دی ہے، براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ ہم بقیع الغرقد میں ایک جنازے کے ساتھ تھے، رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے، ہم بھی آپ کے آس پاس خاموش بیٹھ گئے میت کی لحد کھودی جا رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار قبر کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی، پھر فرمایا کہ جب انسان آخرت میں داخل ہونے والا ہوتا اور دنیا میں اس کی آخری سانسیں ہوتی ہیں تو اس کے پاس سورج جیسے روشن چہروں والوں فرشتے اتر کر آتے ہیں جو اس کی حد نگاہ تک ہوتے ہیں، پھر

ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ کر فرماتے ہیں اے پاک روح! اللہ تعالیٰ کی بخشش وخوشنودی کی طرف نکل، چنانچہ وہ اس طرح آسانی سے نکل آتی ہے جیسے مشک کے منہ سے قطرہ نکل آتا ہے، ملک الموت اسے لے لیتے ہیں، ان کے لیتے ہی فرشتے ایک سکنڈ کیلئے بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے، اور ان سے لیکر جنتی کفن وہ خوشبو میں اسے لپیٹ لیتے ہیں، اس روح سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو نکل پڑتی ہے، پھر فرشتے اس کے لیکر چڑھتے ہیں، اور ملائکہ کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ یہ پاک روح کس کی ہے؟ لانے والے فرشتے اس کا دنیوی سب سے اچھا نام لیکر بتاتے ہیں کہ یہ روح فلاں بن فلاں کی ہے، یہاں تک کہ اسے دنیوی آسمان تک لیکر پہنچ جاتے ہیں اور اس کیلئے دروازہ کھلوادیتے ہیں، آخر دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اس آسمان کے تمام مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک اسے رخصت کرتے ہیں، اسی طرح اس آسمان تک لیکر پہنچ جاتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کی کتاب علیین میں رکھ لو (اعمال نامہ علیین میں رکھ دو) اور اسے زمین کی طرف ہی واپس کر دو، کیونکہ میں نے مٹی ہی سے انہیں پیدا کیا ہے، اسی میں لوٹا دوں گا، اور دوسری بار اسی سے پیدا کروں گا، پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر بٹھاتے ہیں، اور اس سے کہتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ یہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے، پھر اس سے کہتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے؟ یہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، پھر اس سے کہتے ہیں کہ وہ جو تم میں مبعوث کئے گئے تھے کون ہیں؟ یہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، کہتے ہیں کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ یہ جواب دیتا

ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی اور اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی، مجھے اس سے آپ کی رسالت کا علم ہوا، پھر آسمان سے آواز آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، اس کے نیچے جنتی فرش بچھادو اور جنت کی کھڑکی کھول دو، پھر اس کی قبر میں جنت کی مہک اور خوشبو آنے لگتی ہے، اور اس کے قبر حد نگاہ تک کھلی کر دی جاتی ہے، پھر اس کے پاس ایک بہت حسین وجمیل مہکتے ہوئے خوبصورت لباس والا ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ ایک خوشخبری سنئے، آج کا وہ دن ہے جس کا آپ سے دنیا میں وعدہ کرلیا گیا تھا، یہ کہتا ہے کہ آپ کون ہیں؟ آپ کے تو چہرے ہی سے خوشخبری ٹپک رہی ہے، یہ شخص جواب دیتا ہے کہ میں آپ کا نیک عمل ہوں، یہ سن کر وہ دعا مانگتا ہے کہ اب رب قیامت قائم فرما تا کہ میں اپنے اہل وعیال کی طرف واپس جاؤں، اسی طرح کافر جب دنیا سے رخصت ہونے والا اور آخرت میں داخل ہونے والا ہوتا ہے تو کالے بھٹ چہروں والے فرشتے آسمان سے اتر کر اس کے پاس آتے ہیں ان کے ہاتھوں میں ٹاٹ ہوتی ہے یہ اس کی حد نگاہ تک ہوتے ہیں، پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ کر فرماتے ہیں کہ ایک گندی روح اللہ کے قہروں وغضب کی طرف جا، مگر روح اس کے جسم کے کونے کونے میں پھیل جاتی ہے، پھر ملک الموت اسے کھینچتے ہیں جیسے تر روئی سے سلاخ کھینچی جاتی ہے، اور اسے پکڑ لیتے ہیں، مگر فرشتے ایک سکنڈ کیلئے بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے اور ان سے لیکر ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں اس سے بہت سڑی ہوئی لاش کی بدبو کی طرح بدبو نکلتی ہے، پھر اسے لیکر چڑھتے ہیں اور ملائکہ کی جس جماعت سے گزرتے ہیں وہ پوچھتی ہیں کہ یہ گندی روح کس کی ہے؟ یہ اس کا سب سے بُرا دنیوی نام لیکر بتاتے ہیں کہ یہ روح فلاں بن فلاں کی ہے، یہاں تک کہ اسے لیکر پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں

اور دروازہ کھلواتے ہیں مگر دروازہ نہیں کھولا جاتا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ **لا تفتح لھم ابواب السماء الخ**، ان کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور جنت میں نہیں جائیں گے، جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہ ہو، (یہ ناممکن ہے لہذا ان کا جنت میں جانا بھی ناممکن ہے)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کا اعمال نامہ سجین میں سب سے نیچے کی زمین میں لکھ لو، پھر اس کی روح اوپر ہی سے پھینک دی جاتی ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ **ومن یشرک باللہ الخ**، اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا وہ آسمان سے گر پڑا، اسے اب خواہ پرندے پکڑ لیں یا ہوا کہیں دور لیجا کر پھینک دے، پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے پھر دو فرشتے اس کے پاس آکر کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ یہ جواب دیتا ہے ہائے ہائے! مجھے معلوم نہیں، کہتے وہ کون ہیں جو تم میں مبعوث کئے گئے تھے؟ یہ جواب دیتا ہے کہ ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں، پھر آسمان سے آواز آتی ہے کہ میرا بندہ جھوٹا ہے اس کے نیچے آگ کا فرش بچھا دو، اور جہنم کی کھڑکی کھول دو، پھر اس کی قبر میں جہنم کی لپٹیں اور سخت گرم بو آنے لگتی ہے، اور اسے قبر اتنا دباتی ہے کہ ادھر کی پسلیاں اُدھر اور اُدھر کی ادھر آجاتی ہیں، اور اس کے پاس بدشکل بدبودار اور بُرے کپڑوں کے ساتھ ایک شخص آکر کہتا ہے، ایک بُری خبر سن! آج کا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا یہ کہتا ہے تو کون ہے؟ تیرے چہرے ہی سے بُرائی ٹپک رہی ہے، یہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا گندہ عمل ہوں پھر یہ دعا مانگتا ہے کہ اے رب قیامت قائم نہ کر، (احمد ابوداؤد نسائی، اور ابن ماجہ میں ابتدائی حصہ ہے، ابوعولۃ) تمام اہل سنت واہل حدیث کی رائے اسی حدیث کے مطابق ہے۔ (کتاب الروح صفحہ ۷۷،۷۸، ابن قیمؒ)

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھنا

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں انبیاء دیکھے اس کے سلسلے میں کچھ اہل حدیث کا خیال ہے کہ آپ ان کے اجسام ارواح کے ساتھ دیکھے، کیونکہ انبیاء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، آپ نے خلیل اللہ علیہ السلام کو بیت المعمور سے ٹیک لگائے دیکھا، کلیم اللہ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور ان کے حلیے بیان فرمائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ آپ گندم گوں اور طویل قسم کے آدمی ہیں جیسے قبیلہ شنوءۃ کے آدمی ہوتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے جیسے ابھی نہا کر غسل خانے سے نکلے ہوں اور فرمایا جس نے خلیل اللہ کو نہ دیکھا ہو وہ مجھے دیکھ لے، لیکن اکثر ارباب حدیث کا کہنا ہے کہ آپ نے انبیاء کی صرف ارواح دیکھیں، کیونکہ ان کے جسم تو قبروں میں ہیں جو قیامت سے پہلے انہیں اٹھائے جائیں گے ورنہ ان کا قیامت سے پہلے زمین سے اٹھنا لازم آئے گا اور پھر نفخ صور کے وقت مرنا لازم نہیں آئے گا، جس سے تین موتیں لازم آئیں گی جو بالکل غلط ہیں، اگر ان کے اجسام قبروں سے اٹھا لئے گئے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان سے جنت کا وعدہ نہ فرماتا بلکہ جنت میں ہوتے، جب کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء پر جنت حرام فرمادی ہے، سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جنت کا دروازہ کھٹکٹائیں گے اور سب سے پہلے آپؐ ہی قبر سے اٹھیں گے، بے شک آپؐ کا جسم مبارک قبر میں تروتازہ اور نرم ہے، ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مٹی پر انبیاء کے جسم حرام فرمادئے ہیں، اگر آپؐ کا جسم مبارک قبر میں باقی نہ مانا

جائے تو آپؐ کا یہ جواب غلط ہو جاتا ہے، آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی قبر پر فرشتے مقرر فرمادئے ہیں جو آپؐ کو آپؐ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم کے درمیان نکلے اور فرمایا اسی طرح ہم زندہ کئے جائیں گے اور یہ بات بھی یقین ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معزز روح اعلیٰ علیین میں انبیاء کی ارواح کے ساتھ اعلیٰ قدوسیوں کے جماعت میں ہے، آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور انہیں چھٹے آسمان پر بھی دیکھا، معلوم ہوا کہ کلیم اللہ علیہ السلام مع جسم قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے تھے، جبکہ روح رفیق اعلیٰ میں تھی، ان دونوں باتوں میں کوئی تصادم نہیں۔ (کتاب الروح، صفحہ ۸۲)

روح جسم اور کفن کے درمیان لوٹائی جاتی ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت: قل یتوفاکم ملک الموت الخ، آپ فرمادیں کہ تمہاری روح ملک الموت قبض کرتا ہے، جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے، اور تم سب اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاتے ہو، کی تلاوت فرمائی پھر فرشتے سفید کفن کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں اور اسے سینوں سے چمٹا لیتے ہیں جیسے ماں بچہ کو پیدا ہنے کے بعد چمٹا لیتی ہے، بلکہ ماں سے بھی زیادہ مہربان ہوتے ہیں، پھر اس سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو مہک اٹھتی ہے فرشتے اس کی خوشبو سونگھتے ہیں اور اسے چمٹائے رہتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں کہ پاک روح کو مرحبا ہو، اور دعا کرتے ہیں اے اللہ! اس روح پر اپنی رحمت اتار اور اس جسم پر بھی جس سے یہ نکلی

ہے، پھراس کے ساتھ چڑھتے ہیں، فضا میں اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جس کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے اس آنے والی خوشبو دار روح کی مہک انہیں بھی پہنچتی ہے جو مشک سے بھی زیادہ اچھی ہوتی ہے وہ بھی اس کیلئے دعا کرتے ہیں اور سینے سے لگاتے ہیں۔

پھران کیلئے آسمان کئے دروازے کھول دئے جاتے ہیں روح جس آسمان سے گزرتی ہے اس کے فرشتے اس کیلئے دعا مانگتے ہیں آخر اللہ تعالیٰ کے سامنے پہنچ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ بھی اس پاکیزہ روح کا خیر مقدم فرماتا ہے اور اس کے جسم کا بھی جسم سے یہ نکلی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کا خیر مقدم فرمائے تو ہر چیز اس کا خیر مقدم کرتی ہے، اور اس سے ہر قسم کی تنگی دور ہوجاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس پاکیزہ روح کیلئے فرماتا ہے کہ اسے جنت میں داخل کر کے اس کا جنتی ٹھکانہ دکھادو، اور میں نے اس کیلئے جو عزت وآرا والی نعمتیں تیار کی ہیں انہیں بھی دکھادو، پھر اسے زمین ہی کی طرف لیجاؤ کیونکہ میرا فیصلہ ہے کہ میں انسان کو مٹی ہی سے پیدا کیا اسی میں لوٹادوں گا اور پھر اسی سے پیدا کروں گا، اس کی قسم جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! روح کو جسم سے نکلتے وقت اتنا غم نہیں ہوتا جتنا کہ جنت سے نکلتے وقت ہوتا ہے، روح کہتی ہے کہ مجھے کہاں لیجارہے ہو؟ کیا اس جسم کی طرف جس میں تھی؟ فرشتے کہتے ہیں ہمیں یہی حکم ہے اور تمہیں بھی اس کے بغیر چارا نہیں آخر فرشتے اسے اتار لاتے ہیں، اس عرصہ میں لوگ جسم کے غسل وکفن سے فارغ ہوجاتے ہیں اور روح کو اس کے جسم وکفن میں داخل کردیتے ہیں، اس حدیث سے پتہ چلا کہ روح جسم وکفن کے درمیان لوٹائی جاتی ہے، یہ لوٹانا اس واسطہ کے علاوہ ہے جو دنیا میں روح کو جسم کے ساتھ تھا، یہ تعلق کی ایک علیحدہ قسم ہے، جو حالت نیند کے تعلق کی طرح نہیں نہ اس تعلق کی طرح ہے جو تعلق سکون کی جگہ میں پایا جاتا ہے، بلکہ سوال کیلئے ایک خاص قسم کا لوٹنا ہے۔ (کتاب الروح، صفحہ ۸۷، ابن قیمؒ)

برزخ میں روح وجسم دونوں پر عذاب وثواب ہے

غلط خیالات معلوم کرنے کے بعد امت کے علماء وائمہ کی رائے پر غور کرنا چاہئے،ان کی رائے ہے کہ قبر میں عذاب وثواب سچ ہے،اور روح وجسم دونوں کو ہوتا ہے،روح جسم سے علیحدہ ہوکر باقی رہتی ہے اور عذاب یا ثواب میں پڑی رہتی ہے،کبھی جسم سے مل بھی جاتی ہے،اور جسم کو اس کے ساتھ عذاب یا ثواب ہوتا ہے،قیامت کے دن روحیں جسموں میں لوٹا دی جائیں گی اور قبروں سے اٹھ لوگ رب العالمین کے سامنے آ کھڑے ہوں گے،جسموں کے واپس آنے میں مسلمانوں یہودیوں اور عیسائیوں سب کا اتفاق ہے۔(کتاب الروح،صفحہ،۸۹،ابن قیمؒ)

فرشتے پڑی ہوئی لاش سے بھی سوال کر سکتے ہیں

اگر جنازہ پڑا ہوا بھی ہو تو یہ بات مشکل نہیں کہ فرشتے آ کر اس سے سوال کریں اور انہیں کوئی نہ دیکھے اور وہ انہیں جواب دے اور کوئی اس کی بات نہ سنے،اور فرشتے اس مردے کو ماریں مگر کسی کو شعور نہ ہو،دیکھیں دو آدمی ایک بستر پر لیٹے ہوئے ہیں ایک سو جاتا ہے اور ایک بیدار ہوتا ہے،سونے والا خواب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسے مارا بھی جاتا ہے،اور اسے درد بھی محسوس ہوتا ہے،لیکن جاگنے والا اس کی تمام باتوں سے بے خبر ہے جبکہ چوٹ وتکلیف کا اثر روح سے جسم میں بھی سرایت کر لیا گیا ہے،کتنی بڑی لاعلمی کی بات ہے کہ قبروں اور پتھروں کو چیر کر فرشتوں کا جانا عقل سے دور سمجھا جائے،جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں ملائکہ کیلئے بالکل ایسی ہی بتائی ہیں جیسے کو ہوا پرندوں کیلئے ان چیزوں کے ارواح کثیفہ کیلئے پردہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ارواح لطیفہ کے لئے بھی پردے ہوں یہ قیاس غلط ہے،انہیں جیسے قیاسوں سے اصولوں کو جھٹلایا جاتا ہے۔(کتاب الروح،صفحہ،۱۱۴،ابن قیمؒ)

لٹکی، ڈوبی، جلی ہوئی یا اور کسی قسم کی لاش میں روح کا لوٹا یا جانا محال نہیں جمادات تک میں ادراک وشعور ہے

یہ بھی مشکل نہیں کہ لٹکی ہوئی، یا ڈوبی ہوئی، یا جلی ہوئی، یا کسی اور قسم کی لاش میں روح لوٹائی جائے جس کا ہمیں پتہ نہ ہو کیونکہ لوٹائے جانے کی یہ ایک دوسری قسم ہے وہ نہیں جس سے ہم واقف ہیں، دیکھیں بے ہوش آدمی سکتے کا مریض اور مبہوت وغیرہ زندہ ہوتے ہیں اور ان کی روحیں ان کے جسموں میں ہوتی ہیں لیکن ہمیں ان کی زندگی کا پتہ نہیں ہوتا، جس لاش کے اجزاء جدا جدا ہو کر اور بکھر کر کم ہو گئے ہوں اس کی ذات سے جس کی قدرت ہمہ گیر ہے، یہ بعید نہیں کہ وہ ان ذرات سے روح کا ملاپ پیدا کر دے، اگر چہ ایک مشرق میں ہو اور ایک مغرب میں اور ان اجزاء میں ایک قسم کے غم وسرور کا شعور پیدا کر دے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے جمادات تک میں ادراک وشعور پیدا کر دیا ہے، جس سے وہ اپنے رب کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، پتھر اس کے خوف سے گر پڑتے ہیں، پہاڑ اور درخت اسے سجدہ کرتے ہیں، اور سنگریزیں نباتات اور پانی کے قطرے اس کی پاکیزگی میں رطب اللسان ہیں جیسا کہ فرمایا: **وان من شئ الا یسبح بحمدہ الخ**، کائنات کی ہر شیے اللہ کی پاکیزگی حمد کے ساتھ بیان کر رہی ہے، لیکن تم ان کی پاکی کو سمجھ نہیں سکتے، اگر یہ تسبیح ان کی اپنے خالق پر دلالت ہی ہوتی تو یہ الفاظ نہیں لائے جاتے کہ تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے، کیونکہ ہر عقلمند یہ سمجھتا ہے ہ مخلوق خالق پر دلالت کرتی ہے، فرمایا: ہم نے پہاڑ ان کے تابع کر دئے جو صبح وشام پاکی بیان کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ صانع پر دلالت ان دو ہی وقتوں میں خاص نہیں ہے، اسی طرح فرمایا:

اے پہاڑوں! حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ بار بار تسبیح پڑھو اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا، ظاہر ہے کہ صانع پر دلالت حضرت داؤد علیہ السلام کی معیت ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ (کتاب الروح، صفحہ ۱۱۵، ابن قیمؒ)

موت کے بعد روحوں کا ٹھکانہ قیامت تک کہاں ہے؟

صفوان بن عمرو سے روایت ہے کہ میں نے ابوالیمان عامر بن عبداللہ سے سوال کیا: کیا مومنوں کی روحیں اکھٹی ہوتی ہیں؟ فرمایا: وہ زمین جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ذکر کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے وہ زمین ہے جہاں قیامت تک مومنوں کی روحیں جمع رہتی ہیں، دوسرے لوگوں نے کہا یہ وہ زمین ہے جس کا وارث اللہ دنیا میں مومنوں کو بنائے گا، کعب سے روایت ہے کہ مومنوں کی روحیں علیین میں ساتویں آسمان میں رہتی ہیں، اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین میں سجین میں ابلیس کے لشکر کے ساتھ رہتی ہیں، کچھ کے نزدیک مومنوں کی روحیں زم زم اور کافروں کی برہوت میں رہتی ہیں، سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ مومنوں کی روحیں زمین و آسمان کے درمیان رہتی ہیں، اور جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں، اور کافروں کی سجین میں رہتی ہیں، ایک روایت میں ہے کہ مومنوں کی روحیں زمین میں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں، کچھ کے نزدیک مومنوں کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں طرف اور کافروں کی روحیں ان کے بائیں طرف رہتی ہیں۔ (کتاب الروح، صفحہ ۱۴۴، ابن قیمؒ)

مومن کے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اللہ کا خطاب

یاایتھاالنفس المطمئنہ، اے مطمئن روح! اپنے رب کی طرف راضی، خوشی، لوٹ، رب بھی تجھ سے راضی ہے اور میرے بندوں میں شامل ہوکر میری جنت میں داخل ہوجا۔

اس آیت میں اکثر صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال یہ ہیں کہ روحوں سے یہ خطاب موت کے وقت کیا جاتا ہے جب کہ وہ دنیا سے رخصت ہوتی ہیں، اس وقت فرشتے انہیں جنت کی خوشخبری دیتے ہیں، جنہوں نے یہ خطاب آخرت کا خطاب بتایا ہے، ان کا قول بھی اس کے مخالف نہیں کیونکہ بشارت موت کے وقت بھی دی جاتی ہے، اور قبروں سے نکلتے وقت بھی اور آخرت میں دی جائے گی، یہ وہی بشارت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان الذین قالوا ربنااللّٰہ الخ، جنہوں نے اللہ کا رب ہونے کا اقرار کرلیا پھر اس پر ڈٹے بھی رہے تو ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں ڈرو نہیں اور نہ صدمہ کرو، اور اس جنت سے خوش ہوجاؤ جس کا تم سے وعدہ تھا، یہ بشارت موت کے وقت قبر میں اور موت کے بعد زندگی کے وقت دی جاتی ہے، اور ابتدائی بشارت موت کے وقت ہی دی جاتی ہے۔

براء بن عازبؓ والی حدیث میں گزر چکا ہے کہ فرشتہ روح قبض کرتے وقت اس سے کہتا ہے کہ جنت کی ٹھنڈی ہوا اور روزی سے خوش ہوجا۔ (کتاب الروح، صفحہ ۱۴۸، ابن قیمؒ)

روح بیک وقت دو مکانوں میں رہ سکتی ہے

اس مقام پر اکثر لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا کرتا ہے کہ جسم کی طرح بیک وقت دو مکانوں میں روح کا پایا جانا ممکن ہے، مگر یہ دھوکہ ہے، روح آسمانوں پر اعلیٰ علیین میں ہونے کے باوجود بھی قبر میں آکر سلام کا جواب دیتی ہے، اور سلام کرنے والوں کو جانتی ہے، دیکھیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ہمیشہ رفیق اعلیٰ میں رہتی ہے لیکن قبر میں سوال کرنے والوں کے سلام سن کر ان کے جواب دیتی ہے، آپ نے دیکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور انہیں چھٹے یا ساتویں آسمان میں بھی جا دیکھا، اس صورت

میں یا تو روح بہت تیز حرکت کرتی ہے کہ آنکھ جھپکنے میں ہزاروں سال کا سفر طے لر لیتی ہے، یا اس کا قبر سے اور اس کے ماحول سے تعلق قائم رہتا ہے جیسے سورج آسمان میں ہے مگر کرنوں کے ذریعہ زمین سے بھی اس کا تعلق قائم ہے، یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سونے والے کی روح ذرا سی دیر میں ساتویں آسمان کی مسافت طے کر کے اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہے اور کھڑی ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرماتا ہے، فرشتے اسے اس کیلئے جنت میں جو نعمتیں تیار ہیں انہیں دکھاتے ہیں پھر روح اتر کر اپنی تجہیز و تکفین میں بھی شامل ہو جاتی ہے، جیسے کہ براء والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے، ابن عباسؓ والی حدیث میں اس کی وضاحت آگئی ہے کہ تجہیز و تکفین کی تھوڑی سے مدت میں فرشتے روح کو اتار کر لے آتے ہیں اور اس کے جسم کے ساتھ کفن میں داخل کر دیتے ہیں۔ (کتاب الروح، صفحہ، ۱۵۵، ابن قیمؒ)

مختلف روحوں کے اوصاف بھی مختلف ہوتے ہیں

یہاں یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ مختلف صفتوں کے لحاظ سے روحوں میں بھی اختلاف ہے، کوئی روح بڑی طاقت والی اور بہت بڑی ہے، اور کوئی اس سے کم ہے اسلئے بڑی چھوٹی روح کا جو حال ہو گا وہ اس سے کم والی کا نہ ہو گا، تم دنیا میں بھی روحوں کے احکام میں بہت بڑا فرق دیکھتے ہو، ان کی حالتیں مضبوطی میں ان کی تیزی و سستی میں اور ان کے امداد واعانت میں کتنا بڑا فرق محسوس کرتے ہو۔ پھر جو روح بدن کی قید ہے اور اس کی آلائشوں سے آزاد ہو گئی اسے جو تصرف وقوت، ہمت وحوصلہ اور سرعت پرواز تعلق حاصل ہو گا وہ اس روح کو حاصل نہ ہو گا جو قید ومحبوس ہو، جسمانی آلائشوں میں لتھڑی ہوئی اور جسمانی رکاوٹوں سے گھری ہوئی ہو، پھر جب حالت قید میں روحوں کے احوال میں فرق ہے تو آزادی کے بعد تو علیحدہ ہی حال

ہوگا، جبکہ ان میں ان کے قوی جمع ہوں گے، اور اپنی اصلی حالت میں ہوں گی، اور بلند حوصلے والی ہوں گی۔ (کتاب الروح، صفحہ ۱۵۷، ابن قیمؒ)

نفس کی حقیقت وماہیت

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: نفس انسان کے اندر ایک قوت ہے جس سے کسی چیز کی خواہش کرتا ہے خواہ خواہش خیر ہو یا خواہش شر اکثر شر کی خواہش کرے اور نادم بھی نہ ہو اس وقت امارہ کہلاتا ہے اور اسی مرتبہ کی خواہش کا نام ہوا ہے اور کبھی کبھی اس میں خیر کی بھی خواہش پیدا ہوجانا اس مفہوم کے منافی نہیں کیونکہ کثیر الامر کا دائم الامر ہونا لازم نہیں اور اگر نادم بھی ہونے لگے تو لوامہ ہے اور اکثر خواہش خیر کی کرے اس وقت مطمئنہ کہلاتا ہے بمعنی سَاکِنٌ اِلَی الْخَیْرِ۔ نیکی پر ٹھہرنے والا نفس مکار شیطان سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس کو بھی نفس ہی نے خرابی میں ڈالا تھا تو یہ نفس شیطان کا بھی باپ ہوا پس نفس کا مغلوب کرنا کفار کے مغلوب کرنے سے بھی اہم ہے اسی واسطے مجاہدۂ نفس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ:۶۱)

نفس برائی سکھاتا ہے

قرآن کریم میں ایک مقام پر فرمایا گیا ”بے شک نفس تو برائی سکھاتا ہے مگر جو رحم کردیا میرے رب نے“ یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ادا ہوا ہے، عام انسان چہ معنی دارد، اللہ کی رحمت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی مکمل طور پر اطاعت ہی آدمی کو تزکیۂ نفس اور کردار سازی کی طرف مائل کرتی ہے، چونکہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد میں سے مقصد ثانی تزکیۂ نفس ہے، تزکیۂ نفس اسی وقت ممکن ہے جب بندہ اعمال بالارکان کا حقیقی معنوں میں ادراک رکھتا ہو، چونکہ ایمان کی پہلی منزل اگر

اقرار باللسان یعنی زبان سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کا اقرار ہے تو دوسری منزل تصدیق بالقلب اور تیسری منزل اعمال بالارکان ہے، اعمال بالارکان سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں اعضائے رئیسہ عطا کئے ہیں، انہیں اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق بروئے کار لانا یعنی قلب وزبان، دست وشرمگاہ وغیرہ، یہ ارکان شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر جوں جوں اپنی گرفت مضبوط کرتے ہیں ویسے ویسے انسان کے اندر ایک تزکیۂ نفس کا پیدا ہونا فطری ہوجاتا ہے، نتیجتاً ایک ایسا صالح انسان تشکیل پاتا ہے جس کا ظاہر وباطن منور ہوتا ہے، رضائے الٰہی اس کا مقصد بن جاتا ہے، ایسے انسان کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی ضمانت عطا فرمائی جو مختلف احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں واضح ہے۔(انوار طریقت، ص/114)

تزکیۂ نفس اور کردار سازی

تزکیۂ نفس اور کردار سازی کے حوالے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کس قدر اہمیت کا حامل ہے، سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی جماعت میں ارشاد فرمایا: تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں! میں نے پوچھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کونسی چیزیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز، زکوٰۃ، امانت، شرمگاہ، پیٹ اور زبان۔

مطلب یہ کہ نماز کی بروقت ادائیگی، سستی اور کاہلی کو چھوڑ دینا، جب مال نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ ادا کرنا، حقدار کو اس کی امانت لوٹا دینا، شرمگاہ کی حفاظت کرنا، پیٹ کی حفاظت اس طرح کرنا کہ ایک لقمہ حرام پیٹ میں داخل نہ ہونے پائے، چونکہ عبادت اکلِ حلال کے بغیر بے اثر ہے، عبادت کی روح اکلِ حلال ہے اور شکم سیر ہوکر کھانا خواہشاتِ نفس کی پرورش کے مترادف ہے، یہی دین ودنیا میں کامیابی کا سرچشمہ اور یہی حاصل کائنات ہے۔(انوار طریقت، ص/67)

نفس کی اصلاح لازم ہے

پیران پیر دستگیرؒ فرماتے ہیں:

صاحبزادے ! اوّل اپنے کو نصیحت کر اس کے بعد دوسرے کے نفس کو نصیحت کرنا، خاص اپنے نفس کی اصلاح اپنے ذمہ لازم سمجھ اور جب تک تیرے اندر کچھ اصلاح کی ضرورت باقی رہے دوسروں کی طرف مت جھک، تجھ پر افسوس ہے کہ خود ڈوب رہا ہے پھر دوسرے کو کیونکر بچائے؟ تو خود اندھا ہے دوسرے کا ہاتھ کس طرح تھامے گا؟ لوگوں کا ہاتھ وہی پکڑتا ہے جو بینا ہو اور ان کو دریا سے وہی نکال سکتا ہے جو خوب تیرنا جانتا ہو اللہ تعالیٰ تک لوگوں کو وہی پہونچا سکتا ہے جو اس کی معرفت حاصل کر چکا ہو اور جو خود ہی اس سے جاہل ہے وہ کیوں کر اس کا راستہ بتا سکتا ہے؟۔ (مواعظ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ/۲۹)

نفس کا محاسبہ

تزکیۂ نفس کے لئے تیسرا ذریعہ ''محاسبہ نفس'' ہے۔ علامہ ابن قیمؒ کے الفاظ میں ''محاسبہ'' یہ ہے کہ ''آدمی اپنے لئے مفید اور مضر کی تمیز کر لے اور پھر مفید کو اپنائے اور مضر سے دور ہو جائے''۔ (مدارج السالکین:۱/۱۶۹)

''محاسبۂ نفس'' ہی وہ میزان ہے جس کی روشنی میں ایک بندۂ مومن اپنی زندگی کو سنوار سکتا ہے۔ کیوں کہ محاسبہ کے بعد ہی اسے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ زندگی کے کس موڑ پر کھڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو احتساب نفس کی تعلیم دی:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ (الحشر ۱۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ لے کہ قیامت کے واسطے اس نے اعمال کا کیا ذخیرہ بھیجا ہے''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا محاسبۂ نفس

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَزِنُوْا اَعْمَالَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُوْزِنُوْا۔

معارج القبول بشرح سلم الوصول ۔ باب ارکان الایمان۔

محاسبہ کیے جانے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرلو اور وزن کئے جانے سے پہلے اپنے اعمال کو وزن کرلو' یعنی اپنے آپ کو میزان میں رکھو، اس سے پہلے کہ تمہیں میزان میں رکھا جائے۔

محاسبۂ نفس کے لیے کوئی خاص طریقہ متعین نہیں ہے، تاہم سلف وصالحین کی زندگیوں کا مطالعہ اور ان کے محاسبہ کا طریقہ اس باب میں فائدہ مند ہوسکتا ہے، اس لئے ذیل میں ایک دو مثالیں دی جارہی ہیں۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہر حاکم، داعی اور مربی پر محاسبۂ نفس لازم کر رکھا تھا۔ حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ ''میں حضرت عمر بن خطاب ؓ کے ساتھ ایک دن نکلا، وہ ایک باغ میں داخل ہوئے میرے اور ان کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی، میں نے باہر سے انہیں اندرونِ باغ یہ کہتے ہوئے سنا: عمر! امیر المومنین ہوگیا، نہیں نہیں، خطاب کے بیٹے! تم اللہ کا تقویٰ اپناؤ ورنہ وہ تمہیں عذاب دے دے گا۔ (احمد بن حنبل: الزہد ۱۴۹)

موت کی یاد سے محاسبہ نفس کیجئے

تزکیۂ نفس کے لئے ایک ذریعہ ''موت کی یاد'' ہے۔موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں:

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۔(الانبیاء ۳۵)

ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ یہ اپنے مقررہ وقت پر آ کر رہے گی: وَلَنْ يُّوْخِّرُ اللّٰہَ نَفْسًا اِذَا جَآئَ اَجَلُہَا ۔(المنافقون ۱۱)

اور جب کسی کا مقررہ وقت آ جاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہر گز مہلت نہیں دیتا''۔موت کہاں آئے گی کسی کو معلوم نہیں:

وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۔(لقمان ۳۴)

اور نہ کسی کو یہ معلوم کہ کس زمین پر مرے گا۔ تاہم موت کی یاد انسان کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کا جائزہ لے اور غور کرے کہ اس نے مرنے کے بعد کی زندگی کیلئے کیا کچھ تیاری کی ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیَاتَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ۔(الملک ۲)

جس نے موت و حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے''۔

موت کی تیاری کیسے کریں؟

اس بات سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے کہ موت کے آنے سے پہلے کی تیاری ہی اصل تیاری ہے ورنہ مرنے کے بعد کف افسوس ملنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا: وَ اَنْفِقُوْا مِنْ

مَّارَزَقْنٰكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لاَ اَخَّرْتَنِيْ اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصَّالِحِيْنَ۔(المنافقون/۱۰)

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے ہماری راہ میں اس سے پہلے خرچ کرو کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے، تو کہنے لگے: اے میرے پروردگار! مجھے تو تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا؟ کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں۔

محاسبہ نفس کیلئے قبر کا تصور کیجئے؟

نفس کی اصلاح کا ایک ذریعہ ''قبر کا تصور'' ہے قبر آخرت کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے۔ یہ ایسی تنگ و تاریک منزل ہے جہاں ہر انسان کو مرنے کے بعد پہنچا دیا جاتا ہے۔اس تاریک کوٹھری میں میت کے ساتھ سوائے عمل کے کوئی اور چیز نہیں رہتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میت کے پیچھے تین چیزیں جاتی ہیں گھر والے، عمل اور مال، پھر دو چیزیں لوٹ آتی ہیں، اور ایک ہی چیز اس کے ساتھ باقی رہتی ہے۔ گھر والے اور مال واپس آجاتے ہیں، صرف عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔(بخاری کتاب بدء الوحی)

محاسبہ نفس کیلئے توبہ اور استغفار کریں

تزکیۂ نفس کا ایک ذریعہ ''توبہ و استغفار'' ہے۔ اس چمکتی دمکتی دنیا میں ایک طرف بنی نوع انسان کو سیدھی راہ سے ہٹا کر گمراہی کے راستے پر ڈالنے کے لئے سیکڑوں چیزیں موجود ہیں، تو دوسری طرف خود انسان بھی فطری طور پر خطا کار واقع ہوا ہے۔ اس لیے ہر انسان سے جانے، انجانے میں کچھ نہ کچھ غلطی ہو ہی جاتی ہے، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، بوڑھا ہو یا جوان، عالم ہو یا جاہل، مالدار ہو یا غریب، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ جیسے ہی غلطی کا صدور ہو فوراً

اس کا اعتراف کرے، ندامت کے آنسو بہائے، آئندہ نہ کرنے کا عزم کرے اور رب کے حضور توبہ و استغفار کرے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لاَّذَنْبَ لَہٗ۔ (ابن ماجہ/کتاب الزہد) ''گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے گناہ کیا ہی نہیں''۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں توبہ و استغفار پر بہت زیادہ ابھارا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُم۔ (التحریم/۸)

''اے ایمان والو! تم اللہ سے سچی خالص توبہ کرو۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کردے''۔

نفس پر ذکر الٰہی کے اثرات

تزکیۂ نفس کا ایک ذریعہ ''ذکر الٰہی'' ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو تمہارے اعمال میں ایک ایسے عمل کی اطلاع نہ دوں جو تمہارے لئے سب سے بہتر، رب کے نزدیک سب سے پاک، درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا، سونے چاندی کے انفاق سے بہتر اور اس جہاد سے بھی افضل ہے جس میں تم اپنے دشمنوں کو اور وہ تم کو قتل کریں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں ایسا عمل ضرور بتلائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عمل اللہ کا ذکر ہے'' (ترمذی/باب زکوۃ الذہب والورق)

نفس پر ذکر الٰہی کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ ابن قیمؒ رقمطراز ہیں:

''میں ایک مرتبہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فجر کی نماز پڑھی اور تقریباً دو پہر تک ذکرواذکار میں مصروف رہے، پھر میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا: یہ میرا ناشتہ ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لاَ حَوْلَ وَلاَقُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

نفس کو مارو

مصلح الامت حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

ایک مولوی صاحب تھانہ بھون میں مجھ سے کہتے تھے کہ کیا بات ہے جتنے بھی ذی استعداد لوگ ہوتے ہیں وہ ادھر یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نہیں ہوتے اور جو کم استعداد ہوتے ہیں وہی ادھر جاتے ہیں، میں نے کہا یہ بات نہیں ہے کہ ان کی استعداد علمی ادھر سے روکتی ہے بلکہ ادھر کی بے استعدادی ہوتی ہے جو مانع بنتی ہے اور مولانا کی سہ دری کی جانب اشارہ کر کے میں نے کہا یہ بڑے میاں جو بیٹھے ہیں کیا یہ عالم ذی استعداد نہیں ہیں اور کیا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ذی استعداد نہیں تھے تو پھر یہ لوگ ادھر کیوں ہیں۔ یہ سن کر چپ ہی تو گئے اور کہنے لگے اجی تم تو سمجھتے ہو میں نے کہا کہ آپ لوگوں کی صحبت میں رہ کر ایک کم فہم کو بھی کیا اتنی عقل نہ ہو جائے گی۔ ہمیں پر تو حملہ کر رہے تھے اور ہمیں اس کو نہیں سمجھتے۔

ایک بزرگ تھے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ اے لوگو! اس کو مارو تب خدا تک پہنچو گے۔ نفس کا مارنا فرض ہے آدمی اس کو نہ مارے گا خدا کی طرف چلنے نہ دیگا۔ اس لئے طالب خدا کے لئے نفس کا اور اس کے کید کا جاننا فرض ہے۔ (افادات حکیم الامتؒ؟ ص/176)

نفس کو مٹانے کی ایک مثال

ایک مقام پر حضرت مصلح الامتؒ فرماتے ہیں: سنو ہم دیہات کے رہنے والے ہیں اپنے

وطن میں دیہاتیوں سے نفس کے متعلق گفتگو کرتے تھے۔ بہت مشکل پڑتی تھی کیونکہ اس کا سمجھنا آسان نہیں ہے ایک دفعہ اس کی ایک مثال سمجھ میں آئی میں نے اس کو وہاں بھی بیان کیا آپ سے بھی بیان کرتا ہوں نفس کو اور اس کی سرکشی کو سمجھانے کے لئے۔ ایک بھینسا تھا کھا کھا کر خوب موٹا ہو گیا تھا چھوٹا ہوا ہر طرف آزاد پھرتا تھا چنانچہ کبھی کبھی گاؤں کے اندر بھی آجاتا تھا جب وہ آتا تھا تو ایک شور مچ جاتا تھا کہ ''بھینسوا آئل بھینسوا آئل'' یعنی بھینسا آگیا بھینسا آگیا ایک شور مچ جاتا، اور اس کا یہ حال تھا کہ کسی گائے کو سینگ مار دیا کسی بکری کو اٹھا کر پھینک دیا اس طرح سے بہت نقصان کرتا تھا۔ ایک دفعہ معلوم نہیں کس طرح سے لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور اسکے سینگ کاٹ دیئے کھانا بند کر دیا۔ جب خوراک ٹوٹی تو بالکل لاغر ہو گیا اور لوگوں نے یہ کیا کہ اس پر کھاد لادلاد کر اپنے کھیتوں میں ڈالنا شروع کر دیا۔ بس یہی اس کا کام رہ گیا تھا جس کو ضرورت ہوتی وہ اس کو پکڑ لیجاتا اور اپنا کام لیتا اب اس وقت اسے دیکھ کر رحم آتا تھا یا تو اس کا ایسا زمانہ تھا یا اب یہ حال ہے میں نے بھی اس کے دونوں زمانہ دیکھے ہیں چنانچہ میں نے اسے مخاطب کر کے کہا کہ یہاں ہم لوگ قال اللہ قال الرسول کہتے ہیں ہم کو تو کوئی پوچھتا ہی نہیں تم ان دیہاتیوں میں کیا کرنے آئے تھے اور جب آئے ہو تو بھگتو۔ بس اسی طرح سے اللہ والے بھی اپنے نفس کو مارتے ہیں اور اس کو لاغر کر دیتے ہیں۔ (افادات حکیم الامتؒ؟ ص/ 177)

نفس سے مقابلہ جہاد اکبر ہے

ایک بزرگ تنہا رہتے تھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے ایک مرتبہ قلب میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ چلو جہاد کرو اور اس شدت سے کے ساتھ یہ خیال آتا رہا کہ اس کی وجہ سے

تنگ آ گئے بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ دل میں یہ خیال کیوں بار بار آ رہا ہے بتلا دیجئے جواب ملا کہ تم مجاہدہ کر رہے ہو جو کہ چوبیس گھنٹے کا عمل ہے اس کی وجہ سے تمہارا نفس تنگ آ گیا ہے چاہتا ہے کہ کافروں سے مقابلہ کرے تا کہ دو منٹ میں ختم ہو جائے اور مسلسل مجاہدہ کی تکلیف سے بچ جائے کہا اچھا یہ بات ہے تو پھر میں نہیں جاؤں گا اللہ تعالیٰ کو راضی کروں گا۔ کفار سے مقابلہ کرنا جہاد اصغر ہے اور نفس سے مقابلہ کرنا جہاد اکبر ہے۔ (صحبت صالحین، ص22)

شیطان سے بڑا دشمن نفس ہے

ہر انسان نفس ونفسانیت سے بھی مرکب ہے، انسان کا نفس لذت کوش اور راحت طلب ہوتا ہے، اس میں طمع کا مادہ بھی ہوتا ہے، اور خود غرضی کا جذبہ بھی ہوتا ہے، زندگی کی بہت سی برائیوں کو اختیار کرنے میں انسان کا نفس محرک بنتا ہے، اس میں شیطان کی کوشش پر ہی انحصار نہیں، شیطان اس میں صرف بڑھاوا دیتا اور طاقت پہنچاتا ہے اور مزید برائیوں کی طرف مائل کرتا ہے اور ان میں معاونت کرتا ہے، رمضان میں جو برائیاں کی جاتی ہیں وہ اس لئے کم ہوتی ہیں کہ وہ صرف نفس کے اثر سے ہوتی ہیں ان کو شیطان کا سہارا نہیں ملتا۔

لیکن انسانی نفس بعض انسانوں میں اور بعض موقعوں پر اتنا قوی اور موٹا ہو جاتا ہے کہ اس کو اپنے بُرے اقدامات کے لئے شیطان کے سہارے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہوتی، یہ نفس رمضان کے مہینہ میں بھی اپنا کام کر سکتا ہے اور کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے روزہ میں یہ بھی اثر رکھا ہے کہ وہ نفس کو کمزور کر دے اور اس کو اس کے بُرے اثرات سے روکے اور اس کے اثر کم کر دے، کیونکہ روزہ درحقیقت نفس کے خراب اثر کو توڑنے کا عمل ہے، انسان کا پیٹ جب خالی ہوتا ہے اور پیاس کا احساس ہوتا ہے تو برائیوں کی طرف اس کا رجحان کمزور

پڑ جاتا ہے، انسان میں بھرے پیٹ کے ساتھ غلط کاموں کی طرف جو میلان ہوتا ہے وہ خالی پیٹ میں اور انسانی خواہش کی عدم تسکین کے موقع پر نہیں ہوتا، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو جس کو نفسانی خواہش زیادہ ہوتی ہو لیکن اس کے پاس ازدواجی زندگی اختیار کرنے کی مالی سکت نہ ہو، روزے رکھنے کی تلقین فرمائی تاکہ وہ اپنی خواہش پر غالب آسکے اور اس کی خاطر غلط کام میں مبتلا نہ ہو جائے، روزہ کی ساخت اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ وہ نیکیوں کی راہ بناتا ہے، اور گناہوں کی راہ روکتا ہے لیکن روزے کے اثرات اور اس کی نیک فضا اسی وقت اپنا عمل کرتی ہے جب روزہ کو اس کے آداب اور اس کی مقررہ احتیاطوں کے ساتھ رکھا جائے، وہ صرف اللہ کے لئے ہو کسی مادّی یا خود غرضانہ مقصد کے لئے نہ ہو، روزہ میں جو باتیں ممنوع قرار دی گئی ہیں ان سے پورا پرہیز ہو اور روزہ کی فضاء کو قائم کرنے کے لئے جو اعمال بتائے گئے ہیں وہ اختیار کئے جائیں۔

غیبت چغل خوری فضول اور لایعنی کاموں سے بچا جائے، دوسرے ایام میں بھی یہ سب چیزیں بری ہیں مگر رمضان کا مہینہ جو بڑا مقدس اور بڑی برکتوں والا ہے اس میں یہ سب چیزیں اور زیادہ بری ہو جاتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے:

''اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانْ''۔

اے اللہ ہم کو برکت عطا فرما رجب اور شعبان میں اور رمضان تک ہم کو پہنچا۔

رمضان المبارک کی خاطر جنت کو سال کے شروع ہی سے آراستہ کیا جاتا ہے رمضان کا پورا مہینہ ہی خیر و برکت والا ہے بڑا ہی محروم ہے وہ شخص جو رمضان المبارک میں بھی محروم رہ جائے۔ (خطبات رمضان المبارک جلد دوم، ص/104)

تزکیہ نفس کے لئے صحبت شیخ ضروری ہے

یہ چند موٹے موٹے اصول جو ایک سالک راہ طریقت کے لئے ضروری ہیں نہایت اختصار کے ساتھ تحریر کئے گئے لیکن ان باتوں کا حصول بغیر صحبت شیخ کے بہت دشوار ہے عادت اللہ یہی ہے کہ کوئی کام بغیر رہنمائی کے انجام تک نہیں پہنچتا اور طریقت کی راہ تو بہت لطیف اور دشوار گذار ہے وہ بغیر رہبری کے کیسے طے ہوسکتی ہے؟

حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہی سالک کے خلاف کتنے ہی محاذ کھل جاتے ہیں اور اس بے چارے کو ہر محاذ پر لڑنا پڑتا ہے دنیا کی چمک دمک اپنی طرف کھینچتی ہے، نفس اپنی نت نئی خواہشیں لے کر سامنے آتا ہے، شیطان الگ طرح کے طعنے دیتے ہیں، ملامتوں کے تیر چلتے ہیں اور اللہ تعالی کی طرف جانے سے روکتے ہیں پھر تزکیہ نفس کے بعد بھی بعضوں کو کچھ محسوس نہیں ہوتا تو ان پر مایوسی طاری ہوتی ہے اور جن کو کچھ معلوم اور مکشوف ہوجائے وہ عجب یا فتہ میں مبتلاء ہوکر راہ سے بھٹک جاتے ہیں تو ایسی خوفناک اور زبردست خطرات میں گھری ہوئی راہ کو انسان اکیلا کیسے طے کرسکتا ہے اس لئے کوئی ایسا رہبر طریقت تلاش کرنا پڑتا ہے جو اس راہ کو طے کر چکا ہو اس کے گرم و سرد کا ذائقہ چکھ چکا ہو اور مقامات و منازل کے نشیب و فراز سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو تاکہ اس کا دامن تھام کر اطمنان کے ساتھ سالک اس راہ کو طے کرسکے قرآن پاک میں کئی جگہ اس کا ارشاد ملتا ہے مثلاً۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْ مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔

ترجمہ! اے مومنو! تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

اور ایک جگہ ہے: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ۔

ترجمہ! اے اصحاب ایمان! اللہ کی طرف جانے کے لے وسیلہ تلاش کرو۔

پھر ابتداء اسلام سے یہی طریقہ چلا آ رہا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ سے فیض اٹھایا تابعین نے صحابہ سے اور تبع تابعین نے تابعین سے اور ان سے دوسروں نے، اس طرح یہ سلسلہ آج تک چلا آ رہا ہے کہ اس لئے یہ راہ کسی کامل کی صحبت میں رہ کر جلدی اور بے خطر طے ہو جاتی ہے اور بیعت وطریقت سے کسی کامل کا اتباع ہی مراد ہے۔ (آئینہ سلوک)

تکبر نفس

تکبر نفس کوئی پسندیدہ وصف حاصل نہیں کرنے دیتا، تکبر کرنے والا شخص تواضع سے محروم رہتا ہے، حسد اور غصہ کو دُور کرنے پر قادر نہیں ہوتا، ریا کاری کا ترک اور نرمی کا برتاؤ اس کو دشوار ہوتا ہے کسی مسلمان بھائی کی خیر خواہی اس سے ہو نہیں سکتی، غرض اپنی عظمت اور بڑائی کے غرہ (غرور) میں مست اور بہمہ صفت موصوف ہونے کے خیالِ باطل میں ناصح کی نصیحت سے مستغنی اور نفس امارہ کی اصلاح سے بالکل محروم رہتا ہے۔ (اصلاح دل، ص/22)

بدنظری میں مبتلا ایک شخص کا اصلاح کیلئے نفس کو سزا دینا

بدنظری سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس پر سزا مقرر کرے کہ اگر بدنظری کی تو تمہیں یہ سزا دوں گا۔ چونکہ سزا کی تکلیف زیادہ ہوگی بہ نسبت بدنظری کی لذت کے۔ لہذا وقت کے ساتھ ساتھ نفس بدنظری کی عادت سے رک جائے گا۔

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بدنظری کا مرتکب ہونے پر بیس رکعت نفل پڑھنے کی سزا متعین کرلے۔ ایک دو دن میں ہی نفس چیخ اٹھے گا اور بدنظری سے باز آجائے گا۔ شیطان بھی کہے گا کہ یہ شخص ایک مرتبہ بدنظری کرنے پر ۴۰ مرتبہ

سجدہ کر رہا ہے ایسا نہ ہو کہ اس کے گناہ نیکیوں میں بدل دیئے جائیں۔ میری زندگی بھر کی محنت ضائع جائے گی لہذا اس شخص کو بدنظری کے لئے اکسانا ہی نہیں چاہئے۔

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو کھانے پینے کا چسکا ہو اسے چاہئے کہ تین روزے رکھنے کی سزا متعین کرے جب بھوکا پیاسا رہے گا تو سب خرمستیاں رفو چکر ہو جائیں گی۔

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ بدنظری کرنے والا اگر غریب شخص ہے تو اپنے اوپر کچھ مال صدقہ کرنے کا جرمانہ مقرر کرے جب اپنی ضرورتوں کو قربان کر کے مال صدقہ کرنا پڑے گا تو سب نشہ ہرن ہو جائے گا۔

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ نفس میں بدنظری کا داعیہ پیدا ہو تو تنہائی میں اپنی پیٹھ پر کپڑے کا بنا کوڑا متعدد مرتبہ مارے اور سوچے کہ جب قیامت کے دن فرشتے کوڑے لگائیں گے تو کیا بنے گا اس طریقے سے چند دنوں میں بدنظری کی عادت ختم ہو جائے گی۔ (بدنظری، ص35)

اپنے نفس سے مناظرہ کر کے اس کی اصلاح کیجئے

جب انسان کا نفس بدنظری کی کوشش کرے تو اپنے نفس سے یوں مناظرہ کرنا چاہئے ، اے نفس! تیرا نام اتنا بلند مگر تیری حرکتیں اتنی پست ہیں، تو مخلوق کی نظر میں اللہ کا دوست ہے مگر اللہ کے دشمنوں والے کام کر رہا ہے، تو ظاہر میں مؤمن ہے باطن میں فاسق ہے، تو اوپر سے لالہ ہے اندر سے کالی بلا ہے، تو ظاہر میں اللہ کا بندہ ہے تنہائی میں شیطان کا پجاری ہے، تیری زبان اللہ کی طلبگار ہے تیری آنکھ کو غیر محرم سے پیار ہے تو مخلوق کی نظر میں صوفی صافی ہے مگر خلق کی نظر میں قابل معافی ہے، تیرے ظاہر پہ سنت سجی ہوئی

ہے تیرے باطن میں شہوت بھری ہوئی ہے، مخلوق کی نظر سے تیری حرکتیں پوشیدہ ہیں مگر خالق حقیقی کی نظر میں آشکارہ ہیں، تو ظاہر میں جنت کا طالب ہے مگر درحقیقت جہنم کا خریدار ہے، بہتر یہی ہے کہ خسارے کی تجارت سے باز آ، گھاٹے اور نقصان کے سودے سے پیچھے ہٹ جا، اللہ تعالی نے تیرے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے، شاید یہ تیری مہلت کا آخری دن ہو بعد میں حسرت وافسوس کرنے کا کیا فائدہ ہے۔

اب پچھتائے کیا ہوت

جب چڑیا چگ گئیں کھیت

چند مرتبہ نفس کے ساتھ اس طرح مناظرہ کرنے سے بدنظری میں خاطر خواہ کمی آئے گی۔ (راہ سلوک، ص/23)

اصلاحِ نفس میں اعتدال ضروری؛ ورنہ وہ اور بھڑک سکتا ہے!

نفس پر ایک دم کنٹرول نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ اس کو شیخ کی رائے سے روک تھام کرنا چاہیے؛ ورنہ نتائج اچھے نہیں نکلتے۔ اس پر ایک لطیفہ یاد آگیا، ایک آدمی کے پاس ایک گھوڑ اتھا۔ اس کا مالک جب اس کو سفر میں لے کر نکلتا، تو اس کی ایک بری عادت یہ تھی کہ لید کرنے کے بعد، گھوم کر اس کی بدبو سونگھتا اور پھر آگے بڑھتا، یہ شخص اس کی اس حرکت سے بہت تنگ تھا، ایک دن اس آدمی کو کسی سفر پر جانا تھا، اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر سفر پر نکلا، راستے میں اس گھوڑے نے اپنی وہی حرکت شروع کردی، مالک کو بڑی پریشانی ہونے لگی، لمبا سفر تھا، اس طرح یہ کرے گا؛ تو پریشانی ہوگی، چلتے چلتے راستے میں ایک اور گھوڑ سوار سے ملاقات ہوگئی،

دونوں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، ایک جگہ اس گھوڑے نے وہی پرانی حرکت کی، تو دوسرے گھوڑے والے نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے تمہارے گھوڑے کا؟ کہا کہ میرے گھوڑے میں یہ عادت پیدا ہوگئی ہے، جس سے میں بہت پریشان ہوں۔

اس نے کہا کہ اس گھوڑے کا علاج میں کرتا ہوں، آپ میرے گھوڑے پر سوار ہوجایئے اور اپنا گھوڑا مجھے دے دیجیے، چناں چہ ادل بدل کر کے سفر شروع کردیا، جب وہ دوبارہ راستے میں لید کر کے اپنی پرانی حرکت کرنے لگا، تو اس آدمی نے گھوڑے کی اس قدر پٹائی کی کہ گھوڑے کو بھی عقل آ گئی، ایک ہی دفعہ کی پٹائی میں ٹھیک ہوگیا، بہت دور سفر کرنے کے بعد دونوں کی راہ الگ ہورہی تھی، پھر دونوں نے اپنا اپنا گھوڑا بدل لیا اور اس دوسرے شخص نے کہا کہ بھائی! اب تمھارا گھوڑا ٹھیک ہوگیا، لے کر جاؤ! یہ کہہ کر وہ آدمی چلا گیا، دونوں کا راستہ الگ ہوگیا اور کچھ دیر گزر گئی، جب اس گھوڑے کو خوب یقین ہوگیا کہ وہ دوسرا گھوڑسوار ہم سے دور چلا، تو وہ گھوڑا وہاں سے مڑا اور پورا راستہ جہاں جہاں لید کیا تھا، وہاں وہاں واپس جا کر ہر جگہ سونگھ آیا۔

اس میں عبرت ہے کہ نفس کو کنٹرول کرنے کے لیے اعتدال کی ضرورت ہے، اگر ایک دم سیدھا کردیا جائے؛ تو فی الوقت تو وہ سدھر جائے گا؛ مگر جب دوبارہ لوٹے گا، تو ایسا لوٹے گا کہ کفر کی طرف بھی جاسکتا ہے، اللہ حفاظت فرمائے!۔ (واقعات پڑھئے عبرت لیجئے، ص/348)

تزکیہ کے بغیر نفس پر خصوصی توجہ

حضرت حاذق الامت رحمہ اللہ مریدین ومتوسلین کے لئے اصلاح نفس پر بہت دھیان دیتے

تھے تسبیحات اور وظائف پر ہی پوری توجہ نہ ہوتی تھی۔ بلکہ رزائل کے ازالہ کے لئے ساری جد وجہد ہوتی تھی بیوی بچوں کے ساتھ دفتر میں مدرسہ میں مسجد میں کاروبار میں کیسے رہتے ہیں اس پر بھی توجہ دلاتے تھے ایک دفعہ محترم ڈاکٹر رضی الدین احمد صاحب مدظلہ العالی صاحبزادہ حضرت حاذق الامتؒ نے احقر سے تذکرہ فرمایا کہ مولانا والد صاحب کی بات سناؤں کہ ایک دفعہ مدراس میں صبح آفس جاتے وقت والد صاحب نے پوچھا رضی الدین آفس کا ٹائم کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا ۸ بجے فرمایا کہ دس منٹ لیٹ ہو گئے ہو میں نے کہا کہ وہاں کوئی کچھ نہیں کہتا نہ پوچھتا ہے فرمایا کہ آخرت میں تو پوچھا جائے گا یہ تو حقوق ہیں ان ادائیگی کی تاکید آئی ہے وقت پر دفتر جاؤ دیر مت کیا کرو ورنہ کیا کروں ان چیزوں پر دھیان دیا کرو۔

حضرت والا کی نظر اس بات پر رہتی تھی کہ ہمارے پاس جو احباب آتے ہیں ان کی زندگی کیسی ہونی چاہئے، اول ذریعہ معاش پر پوری توجہ ہوتی تھی اور آمدنی کے ذرائع سے اطمینان وسکون کے حاصل ہونے کے بعد پھر اس کی ذاتی زندگی کے حالات دریافت فرماتے اور تزکیہ نفس کو آپ ترجیح دیتے تھے نوافل پر زور کم تھا تزکیہ پر زیادہ دھیان دلاتے تھے تزکیہ نفس کے بارے میں حضرت والا فرماتے تھے۔

فرمایا کہ حضرت حکیم الامتؒ نے اس سلسلہ کے اندر تزکیہ ہی میں زور دیا ہے مگر آج کل وظائف پر ہی زور دیا جا رہا ہے کہ اول ایک ہزار پھر دو ہزار بیس ہزار پچیس ہزار اور اس سے بھی زیادہ ایک لاکھ تک وظائف کر دیتے ہیں لیکن یہ بات یاد رکھو صرف اوراد و وظائف بغیر تزکیہ فی زمانہ ہے آدمی کے اندر عجب اور غرور پیدا کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالی سے بُعد ہو جاتا ہے اور آدمی اپنے آپ کو مقرب سمجھ بیٹھا رہتا ہے الا ماشاء اللہ۔ فرمایا کے

تزکیہ نفس سے انسان کے قلب کے اندر ایک باطنی طاقت (روحانی ونورانی) کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو اچھے برے خطرات کو پہچان لیتی ہے ہمارے سلسلہ میں تزکیہ نفس مقدم ہے پھر تخلیہ کا اہتمام ہے۔ (سوانح حیات حضرت حاذق الامتؒ، ص/426)

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ بانی تبلیغی جماعت جب جماعت میں وقت لگا کر فارغ ہوتے تو پھر تزکیۂ نفس کیلئے اپنے اکابر کی خانقاہ میں جاتے تھے

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ خود بھی خانقاہی نظام سے بڑا گہرا ربط رکھتے تھے اور تزکیۂ نفس کی بڑی فکر رکھتے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں" چچا جان قدس سرہ کا مستقل ایک معمول یہ تھا، اور بڑی باریک بات ہے کہ جب کسی تبلیغی اجتماع سے واپس آتے تو ایک سفر رائے پور کا ضرور فرماتے، ورنہ کم از کم سہارنپور کا اور اگر دونوں کا موقع نہ ہوتا تو تین دن کا اعتکاف اپنی مسجد میں فرمایا کرتے تھے، اور یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جلسوں کے زمانے میں ہر وقت مجمع کے درمیان رہنے کی وجہ سے طبیعت اور قلب پر ایک تکدّر پیدا ہو جاتا ہے اس کے دھونے کے واسطے یہ کرتا ہوں۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں: میں یہ مضمون لکھوا رہا تھا کہ اتفاق سے مولانا منظور نعمانی صاحب زاد مجدہم دیوبند سے تشریف لائے اور اس وقت تشریف فرما بھی ہیں، انہوں نے فرمایا کہ یہ مضمون خود حضرت دہلوی کے ملفوظات میں خود ان کا ارشاد بلفظہ منقول ہے، چنانچہ حضرت چچا جان کے ملفوظات منگوائے گئے جس کے الفاظ یہ ہیں"فرمایا: مجھے جب میوات میں جانا ہوتا ہے تو میں ہمیشہ اہلِ خیر اور اہلِ ذکر کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں، پھر بھی عمومی

اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہو جاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعہ اسے غسل نہ دوں یا چند روز کے لئے سہارنپور یا رائے پور کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جا کر نہ رہوں قلب اپنی حالت پر نہیں آتا، دوسروں سے کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ: دین کے کام کے لئے پھرنے والوں کو چاہئے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر وفکر کے ذریعہ دھویا کریں (آپ بیتی قسط ٤٦٥١٤ ـ ٤٦٦)

مرید خواہ عالم ہو یا جاہل اپنے شیخ کے سامنے اپنے کو مٹانے کیلئے جائے نہ کہ لحاظ کرانے کے جذبہ سے جائے

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ جب شیخ کے یہاں جاؤں تو تکیہ ملے، مسند ملے، واہ واہ ہو، کہا جائے کہ آگے تشریف لایئے، قالین پر بیٹھیے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ عاشق نہیں ہے عاشق تھے مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے شیخ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جہاں لوگ جوتے اتارتے تھے وہاں بیٹھتے تھے اور جب نیند آتی تھی تو اپنے شیخ سید احمد شہید کا جوتا اپنے سر کے نیچے رکھ کر سو جاتے تھے، شیخ کے جوتے کا تکیہ بناتے تھے۔ جو اپنے کو اتنا مٹاتا ہے وہی اللہ والا ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کا شعر ہے ؎

ہم خاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ
یہ عشق کی توہین ہے اعزاز نہیں ہے

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر روٹی

رکھی اور روٹی کے اوپر آلو کی ترکاری رکھ دی، دستر خوان بھی نہیں بچھایا اور پلیٹ بھی نہیں دی۔ آپ بتائیے! کسی بھیک منگے کو ایسے دیا جاتا ہے جو فقیر بھیک مانگنے والے ہوتے ہیں اکثر ان کے ساتھ ایسا ہوتا ہے جیسے کبھی ہم لوگ ریل کے ڈبے میں مسکینوں کو دے دیتے ہیں کہ بھائی! ہاتھ پھیلا، جلدی سے روٹی لے اور جا۔ تو قطب العالم مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاجی صاحب مجھے کن انکھیوں سے دیکھ رہے تھے کہ آیا اس کو کچھ تکلیف ہو رہی ہے یا نہیں یعنی یہ اپنی توہین سمجھ رہا ہے یا مست ہو رہا ہے؟ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر وجد طاری ہو گیا کہ شکر ہے کہ آج میرے شیخ نے میرے ساتھ وہ معاملہ کیا جو عشق میں ہونا چاہیے۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد، ص 155)

ذکر بے لذت بھی نافع ہے

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اگر ذکر میں مزہ نہ آئے تو بہ تکلف ذکر کیے جاؤ، ناغہ نہ کرو، دیکھو شروع شروع میں تمبا کو کھانے سے قے ہو جاتی ہے، لیکن اگر اس بُری عادت کو جاری رکھے اور تمبا کو کھاتا رہے تو ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ کھانا ملے نہ ملے لیکن تمبا کو ملنا چاہیے، اگر نہیں ملتا تو پان بھنگی سے مانگ کر کھا لیتا ہے۔ کہتا ہے کہ ؎

کہاں تک ضبط بے تابی کہاں تک پاس بدنامی
کلیجہ تھام لو یارو کہ میں اب پان مانگوں گا

تو فرمایا کہ جب بُری چیز کی عادت نہیں چھوٹتی تو اللہ کے نام کی اچھی عادت ڈالو، مزہ نہ بھی آئے تو بھی ذکر میں ناغہ نہ کرو، ایک دن ایسی عادت پڑ جائے گی کہ اگر اللہ کا نام لیے بغیر

سونا چاہو گے تو نیند نہیں آئے گی جب تک ان کو یاد نہ کرلو گے۔ حکیم الامت کی بات مان لو، حضرت کے الفاظ تک میں نے یاد کر رکھے ہیں کہ ذکر بے لذت سے بھی قلب پر معیت خاصہ کا انکشاف ہوجاتا ہے یعنی اللہ کا نام اتنا بڑا نام ہے کہ چاہے کچھ مزہ نہ آئے لیکن ان شاء اللہ معیتِ خاصہ، ولایتِ خاصہ سے اور نسبتِ خاصہ سے یہ شخص محروم نہیں رہے گا۔ (فیضان محبت ص/35)

قلب کی موت نفس کی خواہشات سے ہے

لفظِ قلب کا بنیادی معنی الٹنا، پلٹنا، اور لوٹ پوٹ کرنا ہے اسے انسان کا دل بھی کہا جاتا ہے۔ عربی میں عقل کو بھی قلب کہا گیا ہے مثلاً اہل جہنم کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے: ''**لَهُمْ قُلُوْبٌ لاَّيَفْقَهُوْنَ بِهَا**''۔ (سورۃ الاحزاب)

وہ قلب تو رکھتے ہیں مگر سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اللہ کا فرمان ہے:

''**فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لاَيَفْقَهُوْنَ**''۔ (سورۃ المنافقون)

ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی ہے کہ وہ نہیں سمجھتے۔ سورہ محمد میں ایک جگہ **اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا** آیا ہے یعنی کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں؟

سورہ بقرہ میں **خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** کہا گیا ہے یعنی مہر لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر

قرآن میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوں ہے:

''**اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ**''۔

اس میں صاحب عقل اور اہل دل کے لئے نصیحت ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں سمجھ بوجھ اور حسن استماع سے انکار کیا گیا ہے نیز ان آیات کے مطالعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ قلب محض گردش خون کا مرکز نہیں ہے بلکہ عقل و معرفت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ بالفاظ دگر قلب حیات ظاہری کو بھی برقرار رکھتا ہے اور حیات باطنی کو بھی۔ وہ گردش خون کا سرچشمہ بھی ہے اور فہم وادراک کا ماورائی ذریعہ بھی۔ اس تناظر اور پس منظر میں ہی قلب سے متعلق اکابر صوفیہ اور اولیائے کاملین کے اقوال تصوف کی مستند اور قدیم کتابوں میں جا بجا ملتے ہیں مثلاً حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس کو قلب حاصل ہے یا دولت حسن استماع حاصل ہے اس کو مبصرون کی بصارت، عارفوں کی معرفت، علمائے ربانی کا نور اور گذشتہ جنتیوں کے نیک طریقے، ازل اور ابد اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب کچھ حاصل ہے یعنی اس کائناتِ حادث سے وہ سب کچھ اس شخص کے لئے ہے جس کو قلب حاصل ہو یا وہ حسن استماع پر عمل پیرا ہو''۔ (عوارف المعارف از شیخ شہاب الدین سہروردی، اردو ص:۱۶۱)

ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک قلب وہ ہے جس نے ملاحظہ حق، چشم تعظیم سے کیا پھر اس کیلئے سراپا گداز ہو گیا اور ماسوا اللہ سے قطع تعلق کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف جھک گیا''۔ (ایضاً، ص:۱۶۰)

اسی سلسلے میں محمد ابن علی باقر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یوں ہے:

''قلب کی موت نفس کی خواہشات سے ہے یعنی نفس جب خواہشات میں مبتلا ہوا اس کی موت واقع ہو گئی پس جس نے جس قدر شہوات کو ترک کیا، اتنی ہی اس کے قلب کو حیات میسر آئی''۔ (ایضاً، ص:۱۶۱)

ابن ہشام جو عربی زبان کا ایک بزرگ ترین شاعر گذرا ہے اس نے قلب کے مفہوم کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے چار اہم عناصر کی یوں نشاندہی کی ہے:

''پہلا دل، دوسرا عقل، تیسرا کسی چیز کا خلاصہ، چوتھا کسی چیز کا بہترین اور عمدہ حصہ''۔

(لغات القرآن جلد سوم از غلام احمد پروفیسر، ص: ۱۳۸۱)

ابن ہشام کے علاوہ ابن فارس نے بھی لفظ قلب کے دو بنیادی معنوں کو یوں بیان کیا ہے: ''کسی چیز کا خالص اور گراں قدر حصہ اور دوسرا کسی چیز کو ایک رخ سے دوسرے رخ پر پھیرنا''۔ (ایضاً، ص: ۱۳۸۱)

قلب کی بوقلمونی اور اس کے مقام خاص کا ثبوت احادیث سے بھی ملتا ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ مقرر کر دیتا ہے''۔

ایک دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جس شخص کے دل میں واعظ ہوتا ہے اللہ کی جانب سے اس پر محافظ مقرر ہوتا ہے''۔ ایک جگہ آپ کا ارشاد ہے کہ مومن کا دل مجرد ہے جس میں چراغ چمکتا ہے۔

ایک موقع پر صحابہ کرام نے شرح صدر کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ سینہ میں ڈالتا ہے۔

(تہذیب کی جدید تشکیل، از مولانا محمد تقی امینی، ص: ۱۱۴)

انہی متذکرہ بالا احادیث کی روشنی میں اکابر صوفیہ، ائمہ اور بزرگان دین نے اپنے اپنے طور پر قلب کی تعریف و توصیف بیان کی ہے۔ مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں: ''علم کثرت روایات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندہ کے دل میں ڈالتا ہے''۔ (ایضاً،ص:۱۱۴)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس نور کو ''مفتاح'' سے تعبیر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''یہ نور اکثر معارف کی کنجی ہے''۔ (ایضاً،ص:۱۱۴)

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ صاحب احوال نے قلب کی لا تعداد مقامات میں سے ابھی ایک چوتھائی بھی طے نہیں کئے ہیں۔ انکا طے کرنا ضروری ہے تا کہ عالم روحانیت کے مقام اول کے مشاہدات کی تکمیل ہو جائے۔'' (مکتوبات مجدد، دفتر اول، مکتوب نمبر:۱۵۳)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور و معروف تصنیف احیاء علوم الدین جلد ۳ بیان معنی النفس میں ایک جگہ قلب کو ایک لطیف روحانی و باطنی قوت سے تعبیر کیا ہے۔ (تہذیب جدید کی تشکیل،ص:۱۱۲)

اس سلسلے میں ابن تیمیہ کا کہنا ہے: ''قلب سے مراد (گوشت پوست سے جدا) اس کی روح کی وہ حقیقت ہے جو اللہ کی معرفت کا محل ہے''۔ (ایضاً،ص:۱۱۲)

مذکورہ بالا احادیث، صوفیہ، ائمہ و علماء کے اقوال وارشادات کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ قلب ہی معرفت و محبت، فہم وادراک، علم وآگہی اور بصیرت و بصارت کی حقیقی مسکن و مرکز ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ہر قلب اس کا متحمل نہیں ہوسکتا کیوں کہ اس میں بندہ کے کسب کے ساتھ ہی فضل الٰہی بھی ناگزیر ہے جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے:

''وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ''۔ (الحجرات:۷)

یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں ایمان کی محبت دی اور اس نے تمہارے دلوں کو اس سے مزین فرمایا۔ اس سلسلے میں بندہ کسب سے متعلق بھی قرآن پاک سے واضح ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْ فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا'' یعنی جن لوگوں نے ہمارے متعلق کوشش کی ہم ضرور ان کے لئے اپنی راہیں کھول دیں گے۔ بہر حال مقام قلب اور حسن استماع کیلئے تزکیہ نفس اور تصفیۂ باطن لازمی ہے۔ بندہ جب اپنے قلب کو تمام آلائشوں (مثلاً حسد، کبر، نخوت، کینہ اور بغض) سے پاک وصاف کر کے اوصاف حمیدہ سے متصف ہوتا اور راہ شریعت اختیار کرتا ہے اس کے بعد ہی اسے معرفت نفس حاصل ہوتا ہے اور معرفت الٰہی بھی۔ روحانی اور وجدانی قوتوں سے بھی مالا مال ہوتا ہے اور قوتِ توحید سے بھی۔ اس کی حیثیت ایک سچے عاشق رسول کی بھی ہوتی ہے اور موحد کی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب تصوف کا سب سے اہم اور گراں قدر باب تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کو قرار دیا گیا ہے اور قرآن میں جا بجا اس سلسلے میں آیات بکھری ہوئی ہیں۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا۔ مراد کو پہنچا جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ بنایا۔ اسی طرح اللہ کے رسول کا ارشاد ہے:

مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ جِهَادُ اَکْبَرُ۔ ''نفس سے مجاہدہ جہاد اکبر ہے''۔

اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ معرفتِ الٰہی کا تصوف سے گہرا تعلق ہے۔ اہل معرفت ہی حقیقی معنوں میں صوفی اور عارف ہوتا ہے۔ جو لوگ معرفت وتصوف کو الگ الگ تصور کرتے ہیں وہ اسلامی تصوف اور قرآنی آیات کی روح سے نابلد ہیں یا کما حقہ واقف نہیں ہیں۔ جس کی معرفت جس قدر بلند ہوتی ہے اسی قدر اس کو قلب اور حسن استماع بھی حاصل ہوتا ہے اور اسی اندازہ سے اس کا ایمان ویقین بھی مستحکم اور اس کا عشق نقطہ ارتکاز پر دکھائی

دیتا ہے۔ گویا معرفت سے ہی عقل وقلب کو جلا حاصل ہوتی ہے اور دل مثل آئینہ بنتا ہے جس میں خدا کے جلوے نمایاں ہوتے ہیں اور بندۂ خاکی کو روحانی عروج حاصل ہوتا ہے جس کو دیکھ کر فرشتے حیرت واستعجاب کے سمندر میں غوطہ زن ہوجاتے ہیں۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

جس نے تم کو فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آسمان والے کو تمہارا دشمن بنا دیا۔ اس نے ایک بہت بڑا کام تمہارے سپرد کیا۔ یقیناً اس گندی اور کثیف مٹی کے اندر کوئی پاک اور روشن مقصد چھپا ہوا ہے کہ فرشتوں کی عقلیں اور انسان کی سمجھ ان اسرار کے دریافت کرنے سے عاجز ہے۔ جب اس مقصد کی کرن۔ (شعاع)

پھوٹنے لگتی ہے تو فرشتے حیران اور آسمان سرگرداں ہوجاتے ہیں۔ وہ تواضع اختیار کرتے اور اس پر ہیبت طاری ہوجاتی ہے''۔ (مکتوب صدی مترجم، مکتوب نمبر ۵۸، ص: ۳۸۳-۳۸۴)

اپنے ایک خط میں خواجہ سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو شیخ شرف الدین منیری نے یوں نقل کیا ہے: ''حضرت آفریدگاہ جل علا نے نقطۂ عبودیت سے زیادہ پیاری کوئی چیز پیدا نہیں کی کیوں کہ اس کا نام دل ہے اور وہی خزانہ معرفت ہے۔ اگر خداوند تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز دل سے زیادہ عزیز ہوتی تو اپنی معرفت کے جواہرات کو ضرور اس میں رکھتا''۔ (ایضاً، مکتوب نمبر ۳۸، ص: ۱۷۲)

مقام قلب اور عروج آدم خاکی سے متعلق شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کے بحوالہ بالا اقتباسات میں جن خیالات کا اظہار ہوا ہے اس کے ثبوت میں ذیل کی حدیث قدسی ملاحظہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''لَا یَسَعُنِیْ سَمَائِیْ وَلَا اَرْضِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِن ''۔

میری سمائی نہ میرے آسمان میں ہو سکتی ہے اور نہ میری زمین میں لیکن بندۂ مومن کے دل میں میری سمائی ہوتی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: ''لَا یَسَعُنِی اِلاَّ قَلْبُ مؤمِنٍ''۔ یعنی میری سمائی بجز قلب مومن کے اور کہیں نہیں ہو سکتی۔

انہی احادیث کے مفہوم کو اردو کے مشہور و معروف صوفی شاعر خواجہ میر دردؔ نے اپنے شاعرانہ انداز میں یوں بیان کیا ہے ؎

ارض و سما کہاں تیری وحدت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ مقام قلب سے متعلق اکابر صوفیہ اور عارفین کے اقوال و ارشادات کا سر چشمہ اور منبع و ماخذ کتاب و سنت ہے۔ اس بنیاد پر قلب کے ظاہری عمل کے ساتھ ساتھ اس کے باطنی عمل سے قطعی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ قلب بلا شبہ نور ہدایت، نور معرفت، بصیرت و بصارت اور فہم و فراست کا مسکن ہے اور انہی جملہ جواہراتِ قلب کا ذکر عملی اور نظری طور پر تصوف بالخصوص اسلامی تصوف میں ملتا ہے۔ اور انہیں جواہراتِ قلب انسانی کی بنیاد پر انسان کو عز و شرف حاصل ہوتا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''منہاج العابدین'' میں اس حقیقت کی طرف یوں نشاندہی کی ہے:

''دل بندے کے نفیس و اعلیٰ جواہر کا خزانہ ہے۔ ان اعلیٰ جوہروں میں سے ایک جوہر اعلیٰ و عمدہ ہے، وہ معرفت خداوندی ہے جو دونوں جہاں کی سعادت کا ذریعہ ہے اور وہ قلبی بصیرت ہے جس کی وجہ سے دربار الٰہی میں انسان کو وجاہت و بزرگی حاصل ہوتی ہے''۔

(منہاج العابدین، مترجم، چوتھی فصل، دل کے بیان میں، ص: ۱۱۳)

اب آپ عالم بن گئے تو تزکیۂ نفس کیلئے ہماری خانقاہ میں رہو

جس طرح جسم کے اندر امراض ہوتے ہیں ایسے ہی قلب کے اندر بھی امراض ہوتے ہیں ان کا علاج بھی ضروری ہے جیسا کہ ہم جسم کی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں اور امراض قلب جسم کی بیماریوں سے بھی زیادہ سخت ہے۔

قرآن کریم کی آیت: ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا'' کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے امراض وعیوب سے نفس کا تزکیہ کیا، وہ فلاح پا گیا، آج ہم سب اس کے طالب ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق دیں اور ایسے اللہ والے بھی مل جاتے ہیں جن سے حکمت ایمانی نصیب ہو جاتی ہے، علم ظاہر کے طالب تو بہت ہیں کہ جگہ جگہ مدارس قائم ہیں۔ والحمد للہ علی ذلک، لیکن تزکیہ نفس کو اکثر حضرات ضروری سمجھتے بھی نہیں، مگر علاج نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں تزکیہ کی اتنی اہمیت نہیں ہے بلکہ ہم اس سے غافل ہو رہے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم دس سال دارالعلوم دیوبند میں لگا کر آئے ہو، کم سے کم دس مہینے ہی میرے پاس تزکیۂ نفس کے لئے رہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت معلم ومزکی تھے اور ساری عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تزکیہ وتعلیم کا کام کیا، تو کیا ان کی جانشینی کا حق اسی طرح ادا ہوگا جس طرح ہم کر رہے ہیں، علما ورثۃ الانبیاء ہیں تو کیا وہ صرف علم کی وراثت ہے، تزکیہ کی وراثت نہیں ہے، وراثت علم میں تزکیہ بھی شامل ہے۔ (دعوت فکر وعمل، ص/210)

اے نفس، تجھے دنیا سے محبت ہے

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اچھی طرح جان لو کہ آدمی کا سب سے بڑا

دشمن اس کا نفس ہے، جو اس کے اندر گھسا ہوا بیٹھا ہے، یہی نفس اسے برائی اور گناہ کی طرف لے جاتا ہے، اسی نفس کے تزکیہ اور اسے راہ راست پر رکھنے کا کام آدمی کے سپرد ہوا ہے، پس اگر تم اپنے نفس کی خبر نہ لوگے تو وہ سرکش اور قابو سے باہر ہو جائے گا، اور پھر ہاتھ نہ آئے گا، لیکن اگر تم اسے ملامت کرتے رہو گے تو وہ نفس لوامہ بن جائے گا، بلکہ کیا عجب کہ رفتہ رفتہ نفس مطمئنہ بن جائے، اور ان بندگانِ الٰہی میں شامل ہو جائے جو اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں۔ دیکھو کسی وقت بھی اس کو نصیحت اور ملامت کرنے سے غافل نہ رہو، بلکہ دوسروں کو نصیحت تب کرو جب پہلے اپنے نفس کو کر لو، تم ہمیشہ اس سے یوں کہتے رہا کرو:

اے نفس! ذرا انصاف کر! تو سمجھتا ہے کہ میں بڑا عقل مند ہوں، مگر تیرے برابر بے وقوف کوئی نہ ہوگا، کیا تو نہیں جانتا کہ جنت اور دوزخ تیرے سامنے ہیں، اور تو بہت جلد کسی ایک میں جانے والا ہے، پھر تجھے کیا ہوا ہے کہ ہر وقت ہنستا کھیلتا، دنیا میں مگن رہتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ تیرے اوپر موت کا کٹھن وقت آنے والا ہے، آج ہو یا کل؟ جس موت کو تو دور سمجھتا ہے، اللہ کے نزدیک وہ بہت قریب ہے، پس تجھے کیا ہوا کہ موت اتنی نزدیک ہے مگر تو اس کی تیاری نہیں کرتا ہے، حالانکہ۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمْ وَہُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ۔ مَا یَاْتِیْہِم مِّنْ ذِکْرٍ مِّنْ رَّبِّہِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْہُ وَہُمْ یَلْعَبُوْنَ۔ لَاہِیَةً قُلُوْبُہُمْ۔

آ گیا ہے لوگوں کے حساب کا وقت اور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں ان کے پاس جو تازہ نصیحت بھی ان کے رب کی طرف سے آتی ہے اس کو بہ تکلف سنتے ہیں او رکھیل میں پڑے رہتے ہیں، دل ان کے (دوسری ہی فکروں میں) منہمک ہیں۔ (سورہ انبیاء)

ذرا سوچ! تجھے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جرأت کیوں کر ہوتی ہے؟ اگر تیرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ تجھے نہیں دیکھتا، تو پھر تو یقینا کافر ہے، یا اگر یہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے اور پھر اس کی نافرمانی کرتا ہے، تو پھر سخت بے حیا ہے، اگر تیرا بھائی یا نوکر کوئی ایسی بات کرے جو تجھے بری لگے، تو تو کتنا غصہ کرتا ہے، پھر تجھے یہ جرأت کیوں کر ہوتی ہے کہ اپنے رب کا غصہ مول لے اور اس کے عذاب سے نہ ڈرے۔

کیا تو سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو برداشت کر سکے گا؟ ہرگز نہیں! یہ بات دل سے نکال دے، ذرا ایک گھڑی تیز دھوپ میں کھڑا رہ، یا اپنی انگلی آگ کے قریب کر، تجھے خود اپنی طاقت اور حوصلہ معلوم ہو جائے گا۔

کیا تو اس مغالطہ میں پڑ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا کریم اور غفور رحیم ہے، اسے کسی کی اطاعت کی حاجت نہیں، وہ مجھے بخش دے گا، لیکن پھر اپنے دنیا کے کاموں کے لئے کیوں کوشش کرتا ہے، اور اس کے کرم پر نہیں چھوڑ دیتا؟ جب کوئی دشمن تیرے درپے ہوتا ہے تو کیوں اس سے بچنے کے لئے تدبیر کرتا ہے؟ تب کیوں نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مجھے بچا دے گا؟ جب کوئی دنیاوی کام روپے پیسے کے بغیر نہیں ہوتا، تو اس وقت تیرا دم کیوں نکلتا ہے، اور کیوں اسے حاصل کرنے کے لئے ہزار بھاگ دوڑ کرتا ہے؟ اس وقت کرم الٰہی پر تیرا اعتماد کہاں چلا جاتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ صرف آخرت میں کریم ہے، دنیا میں نہیں؟۔

کیا تو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ مرنے کے بعد تجھے بلا حساب لئے ایسے ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ یا تو بچ کر کہیں بھاگ نکلے گا؟ ہرگز نہیں، اگر تو ایسا سمجھتا ہے تو تو تیرے برابر کوئی جہل نہیں، اور تو پکا کافر ہے۔

اے نفس! ذرا انصاف کر! اگر ایک کافر ڈاکٹر تجھ سے کہہ دیتا ہے کہ فلاں کھانا تیرے لئے مضر ہے تو تو جی کڑا کر کے اسے چھوڑ دیتا ہے اور صبر کرتا ہے، اگرچہ وہ بڑا لذیذ کھانا ہو، کیا انبیاء کا کہنا، جن کو معجزات کی تائید حاصل ہوتی ہے، اور کتاب الٰہی کا فرمان، تیرے لئے اتنا بھی وزن نہیں رکھتا جتنا ایک کافر ڈاکٹر کا قول، عقل اور علم کی کمی کے باوجود اس کی بات کا اثر تو ہوتا ہے، مگر اللہ اور اس کے رسول کے کہنے کا نہیں ہوتا۔

اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ ایک بچہ کہتا ہے کہ تیرے کپڑوں میں بچھو ہے تو تو بغیر دلیل طلب کئے اور بغیر سوچے سمجھے، اپنے کپڑے اتار پھینکتا ہے، کیا انبیاء کی متفقہ بات تیرے نزدیک اس نادان بچے کی بات سے بھی کم وقعت رکھتی ہے؟ یا جہنم کی آگ اس کی بیڑیاں، اس کی گرز، اس کا عذاب، اس کا زقوم اور اس کے آنکڑے، اس کے سانپ، بچھو اور زہریلی چیزیں تیرے لئے ایک بچھو سے بھی کم تکلیف دہ ہیں؟ حالانکہ اس کی تکلیف زیادہ سے زیادہ ایک دن یا اس سے کم رہتی ہے، یہ عقل مندوں کا شیوہ نہیں، اگر کہیں جانور کو تیری حالت زار کا علم ہو جائے تو وہ تجھ پر ہنسیں اور تیری دانائی کا مذاق اڑائیں۔ پس اے نفس! اگر تجھ کو یہ سب چیزیں معلوم ہیں، اور ان پر تیرا ایمان ہے تو کیا بات ہے کہ تو عمل میں سستی اور ٹال مٹول سے کام لیتا ہے، حالانکہ موت مکینگاہ میں منتظر ہے کہ وہ بغیر مہلت کے تجھے اچک لے جائیں؟ تو کس وجہ سے نڈر رہے کہ وہ جلد نہ آئے گی؟

کیا وجہ ہے کہ تجھے اپنی خواہشات نفس کی مخالفت مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں محنت ومشقت ہے؟ کیا تو اس دن کا منتظر ہے جب خواہشات کی مخالفت تیرے لئے آسان ہو جائے گی؟ ایسا دن تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں کیا، اور نہ پیدا کرے گا، جنت جب ملے گی، ہمیشہ ناگوار کام کرنے ہی سے ملے گی، اور ناگوار کام کبھی نفس کے لئے آسان نہیں ہو سکتے۔

اس لئے کہ خواہشات کی مثال ایک تناور درخت کی سی ہے، جس کو اکھاڑے بغیر چارہ نہیں، اگر سستی کے باعث اسے آج نہ اکھاڑا، اور کل پر رکھا تو اس کی مثال اس جوان کی سی ہے جس سے ایک درخت نہیں اکھاڑا گیا۔ تو اس نے اس کام کو دوسرے سال کے لئے ملتوی کر دیا، حالانکہ جتنا زمانہ گزرے گا درخت کی جڑیں مضبوط ہوتی جائیں گی، اور اکھاڑنے والے کی کمزوری اور ضعف میں اضافہ ہوگا، جس کو جوان ہو کر نہیں اکھاڑ سکا، اس کو بڑھاپے میں کیا اکھاڑ سکے گا؟ سرسبز شاخ لچک رکھتی ہے، اور جھکائی جاسکتی ہے، جب سوکھ جائے گی تو اس کو موڑ نا ناممکن ہو جائے گا۔ غالباً تو یہ کہے کہ میں استقامت سے عمل اس لئے نہیں کرتا کہ لذت خواہشات کا حریص ہوں، اور تکلیف و مشقت برداشت نہیں کر سکتا، اگر یہی بات ہے تو تو پرلے درجے کا احمق ہے اور تیرا عذر لنگ ہے، اگر تو لذت کا حریص ہے تو ایسی لذت کیوں نہیں تلاش کرتا جو تمام آلائشوں سے پاک ہو اور ابدالآباد تک کے لئے ہو، یہ نعمت جو جنت ہی میں حاصل ہو سکتی ہے، اگر تجھے لذت اور خواہش ہی عزیز ہیں تو ان کی خاطر بھی تجھے نفس کی وقتی خواہشات کی مخالفت کرنی چاہئے، اس لئے کہ بسا اوقات ایک لقمہ کئی لقموں سے محروم کر دیتا ہے۔

اسی جہالت کی وجہ سے احمق کا لقب تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے، فرمایا کہ ”عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو مطیع کرے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے، اور احمق وہ ہے جس کا نفس اپنی خواہشات کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھے“۔ اے نفس! دنیا کی زندگی میں نہ کھو جا، اللہ تعالیٰ سے غلط امیدیں نہ باندھ، اپنی فکر کر، اپنا وقت ضائع مت کر، کہ گنتی کے چند سانس تیرے پاس ہیں، ایک سانس جاتا ہے، اتنا ہی وقت کا خزانہ کم ہو جاتا ہے۔ جتنی مدت آخرت میں رہنا ہے، اسی قدر دنیا میں اس کی

تیاری کر، جتنی مدت جاڑے کی ہوتی ہے، اسی حساب سے تو دنیا میں کھانا، کپڑے اور لکڑیاں جمع کرتا ہے، ان میں سے کسی چیز میں تو اللہ کے کرم پر تکیہ نہیں کرتا وہ محض اپنے فضل سے، کپڑوں اور آگ کے بغیر تجھے سردی سے بچالے گا، حالانکہ وہ اس پر قادر ہے، پھر تیرا کیا خیال ہے کہ دنیا کی سردی کے مقابلے میں جہنم میں سردی کم ہوگی، یا تھوڑے دن رہے گی، یا کچھ کئے بغیر اس سے بچ جائے گا، نہیں، جہنم کی سردی توحید اور اطاعت کے بغیر نہیں جائے گی، اللہ تعالیٰ کا یہ کرم کیا تھوڑا ہے کہ تجھ کو جہنم سے بچنے کا طریقہ بتادیا، اور اس کے لئے سارا سامان مہیا کر دیا۔

اے نفس! میں دیکھتا ہوں کہ تجھے دنیا سے محبت ہے اور اسکی جدائی تجھ پر شاق ہے، تو اللہ تعالیٰ کے عذاب وثواب اور قیامت کے ہول سے غافل ہے، حالانکہ تو دنیا میں مسافر ہے، اور یہاں کی چیزیں سفر کرنے والوں کے ساتھ نہیں جاتیں، کیا تو گزرے ہوئے لوگوں کا حال نہیں دیکھتا؟ جن مکانوں میں رہنا ہی نہیں، وہ کیسے عالی شان بنائے، پھر چھوڑ کر چلے گئے، رہنے کی جگہ زمین کے اندر قبر ہے، اس کی فکر ہی نہ کی، شاید لوگوں کے درمیان عزت ومرتبہ کی محبت سے تیری آنکھوں پر چربی چھا گئی ہے؟ زمین پر سارے لوگ اگر تیری عزت کریں، تیری تعریف کے گن گائیں، اور تیرا کہا مانیں، پھر کیا تو نہیں جانتا کہ چند برس کے بعد نہ تو رہے گا، نہ یہ سارے لوگ، پھر ایک زمانہ آئے گا جس میں نہ تیرا ذکر رہے گا، نہ ان شخصوں کا جو تیرا ذکر کرتے تھے۔ (تصوف اور سلوک کی حقیقت، ص/ 98-99)

صوفی ہر دم نفس کشی میں مشغول رہتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ صوفی تجرد نفس اور اس کے مطالبات کی کشمکش میں گرفتار ہوتا ہے اور وہ

ہر وقت نفس کشی کے کام میں مصروف رہتا ہے اب ان مطالبات کے ساتھ ہی وہ نکاح کرے اور اسکی بیوی کے مطالبات کا بھی اس میں مزید اضافہ ہو جائے تو اس کی جدوجہد کمزور ہو جائے گی اور عبادت کے عزم اور ارادے میں فتور پڑ جائے گا کیونکہ نفس کا تو یہ خاصہ ہے کہ اگر اس کو طمع پر ڈال دیا جائے تو وہ اس کا عادی پڑے گا اور اگر قناعت کے راستے پر ڈال دیا جائے تو وہ قانع ہو جائے گا۔ (فیضان گنگوہی، ص/ 334)

ہمیشہ روزے رکھنا نفسانی خواہش کا علاج ہے

نوجوان صوفی اور مزید نکاح کی خواہش کو دبانے کے لئے ہمیشہ روزے رکھتا ہے اس لئے کہ روزہ نفس کو مغلوب کرنے اور اس کی خواہشوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے بہت مفید و کار آمد ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

اِنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ مَرَّبِجَمَاعَةٍ مِّنَ الشَّبَانِ وَ ہُمْ یَرْفَعُوْنَ الْحِجَارَةَ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَائَةَ فَلْیَتَزَوَّجْ وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَلْیَصُمْ فَاِنَّ الصَّوْمَ لَهٗ وِجَاءٌ۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نوجوانوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے، وہ لوگ پتھر اٹھا رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کر سکتا ہو وہ نکاح کرے اور جو نکاح نہ کر سکے وہ روزہ رکھے کیونکہ روزے شہوت کے لئے وجاء کا حکم رکھتے ہیں"۔

وجا کے معنی ہیں خصّی کرنا، عربوں کا دستور تھا اور اب بھی برصغیر ہندو پاک میں یہ دستور ہے کہ بکروں کو خصی کر دیتے ہیں ان کی قوت نرینہ ختم ہو جائے اور وہ خوب فربہ ہو جائیں۔

چنانچہ اس کے ثبوت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے کہ ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ بِکَبَشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ مَوْجُؤَیْنِ۔

یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو موٹے خصی کیئے اور اس کے بعد دنبے قربانی فرمائے۔

کہتے ہیں کہ اگر نفس کو تم کسی کام میں مشغول نہیں رکھو گے تو وہ تم کو کسی کام میں مشغول رکھے گا، پس اگر نوجوان مرید ہمیشہ کام میں مشغول رہے اور عبادت میں مصروف رہ کر نفس کشی کرتا رہے تو اس عمل سے نہ صرف یہ کہ نفس کے خطرات کم ہوجائیں گے بلکہ جو عبادت وہ کرتا رہا ہے اس کے ثمر ہائے شیریں بھی اس کو حاصل ہوں گے۔ یعنی کثرت عبادت کا شوق پیدا ہوگا! اور اس پر آسانیوں کے دروازے کشادہ ہوجائیں گے اور عمل میں اس کو لذت محسوس ہوگی پس اس کو اس بات سے غیرت آئے گی کہ اس کی بیوی کے باعث اسکے حال اور وقت میں کدورت پیدا ہو۔ (فیضان گنگوہیؒ، ص/335)

جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا

وَالشَّمْسِ وَضُحٰہَا، وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰہَا، وَالنَّہَارِ اِذَا جَلّٰہَا، وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰہَا، وَالسَّمَآئِ وَمَا بَنٰہَا، وَالْاَرْضِ وَمَاطَحٰہَا، وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰہَا، فَاَلْہَمَہَا فُجُوْرَہَا وَتَقْوٰہَا، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰہَا، وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰہَا۔

ترجمہ: قسم ہے آفتاب کی اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے مہتاب کی جب وہ (غروبِ) آفتاب کے بعد آئے، اور قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کردے، اور قسم ہے رات کی جب وہ اسے چھپائے اور قسم ہے آسمان کی اور اسے بنانے والے کی اور زمین کی

اور اسے بجھانے والے کی، قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو، یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کرلیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا۔ (سورۃ الشمس، آیت ۱ تا ۱۰)

احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کا خوفِ الٰہی

امام غزالیؒ کہتے ہیں: احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مصاحب نے بیان کیا ہے کہ ''میں ان کی صحبت میں رہا ہوں، ان کی رات کی نماز کا حصہ اکثر دعا پر مشتمل ہوتا تھا۔ وہ چراغ کے پاس آتے، اس پر اپنی انگلی رکھتے، جب آگ کی شدت کا احساس ہوتا تو اپنے نفس سے کہتے: اے حنیف! فلاں دن تم کو کس چیز نے فلاں کام کے لئے ابھارا تھا؟''۔ (احیاء علوم الدین: ۴/ ۴۰۵)

محاسبہ کیسے کریں؟

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ''محاسبہ کی ابتدا یہ ہے کہ تم اللہ رب العزت کی نعمتوں اور اپنے گناہوں کے مابین موازنہ کرو، تمہیں دونوں میں فرق اور تفاوت واضح ہوجائے گا اور تمہیں معلوم ہوجائیگا کہ آیا یہ صرف اس کا عفو و کرم اور رحمت ہے یا ہلاکت و بربادی، پھر اپنے حسنات اور سیئات کا موازنہ کرو، یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ ان دونوں میں سے مقدار وصفت اور کمیت و کیفیت کے اعتبار سے کون راجح ہے۔ یہ موازنہ تمہاری اپنی ذات اور افعال کے درمیان ہوگا۔ (تہذیب مدارج السالکین/ ۱۱۵)

قرآن مجید کی تلاوت کے ذریعہ محاسبہ نفس کیجئے

تزکیۂ نفس کا چوتھا ذریعہ ''قرآن مجید کی تلاوت'' ہے۔ قرآن مجید وہ مقدس کلام ہے

جسے اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ اس میں راہ راست پر چلنے والوں کے لئے عبرت و نصیحت کی بات ہے۔

اِنْ هُوَ اِلاَّ ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْم۔(التکویر ۲۷/۲۸)

یہ تو تمام جہاں والوں کے لیے نصیحت نامہ ہے (بالخصوص) اس کے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔

حضرت حکیم الامتؒ کے نفس سے متعلق چند گراں قدر ملفوظات وتحقیقات ذیل میں پڑھیئے اور ان سے اپنی اصلاح کا سامان کیجئے

شیطان کو گمراہ کرنے والا

ملفوظ (۲۳) فرمایا: شیطان کو گمراہ کرنے کو دوسرا شیطان نہیں آیا تھا بلکہ یہ نفس ہی تھا جس نے اسکو ابلیس بنادیا ورنہ تو یہ عزازیل تھا پس نفس کو مغلوب کرنا کفار کو مغلوب کرنے سے اہم ہے اسی واسطے مجاہدۂ نفس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔(اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ:۳۸)

نفس مکار

ملفوظ (۲۷) فرمایا: نفس مکار شیطان سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس کو بھی نفس ہی نے تو خرابی میں ڈالا تھا وہ بالذات تو بدذات نہ تھا نفس ہی کے کید میں آکر بدذات ہوا تو یہ نفس شیطان کا بھی باپ ہوا۔(اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ:۴۵)

نفس کا علاج

ملفوظ (۱۳۳) فرمایا: حزن اور غم علاج ہے نفس کا اگر انسان پر غم نہ ہو تو فرعون ہوجائے بڑی نعمت ہے خدا تعالیٰ کی حزن وغم۔ تربیت میں بڑا دخل ہے حزن وغم کو۔(اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ:۶۷)

روح کا آنا

ملفوظ(۱۴۹) فرمایا: کہ مردوں کی روح کے آنے کا خیال غلط ہے کیونکہ جو نیک ہیں وہ تو دنیا میں نہیں آنا چاہتے اور جو بد ہیں انہیں اجازت نہیں مل سکتی۔(اصلاح کا تیر بہدف نسخہ،صفحہ:٦٧)

تصوف کی اصلاح میں دل اور روح دولطیف قوتیں ہیں

سینہ میں بائیں گوشت کا ایک لوتھڑا جو لٹکا ہوا ہے۔اور اس کے جوف میں سیاہ قسم کا جما ہوا خون ہوتا ہے جو سوداء قلب کہلاتا ہے اور جب یہ لوتھڑا خون کو پمپ کر کے باہر کی طرف پھینکتا ہے تو اس کو دل کی دھڑکن سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح اطباء کہتے ہیں کہ روح اس بھاپ اسٹیم کا نام ہے جو قلب کے اندر خون سے پیدا ہوتی ہے اور شریانوں کے ذریعے سارے بدن میں پہنچ جاتی ہے۔لیکن تصوف کی اصطلاح میں جس چیز کو دل اور روح کہا جاتا ہے وہ اس ظاہری روح اور دل سے کسی قدر مختلف ہے۔تصوف کی اصطلاح میں روح اور دل دو لطیف قوتیں ہیں جو انسان کے خالق نے اس ظاہری قلب وروح کے ساتھ پیدا کی ہیں جس طرح آنکھ دیکھنے کی کان سننے کی اور ہاتھ چھونے کی طاقت رکھتے ہیں اسی طرح خون کا یہ لوتھڑا جسے دل کہتے ہیں خواہشیں کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔تصوف کی اصطلاح میں دل اسی طاقت کا نام ہے جو انسان میں مختلف خواہشیں اور جزبات پیدا کرتی ہے۔(اصلاح کا تیر بہدف نسخہ،صفحہ:۷۱)

مجاہدہ کی ضرورت

اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ اعمال نفس کی خواہش کے خلاف ہیں نفس ان کے بارے میں قلیل یا کثیر منازعت ضرور کرتا ہے اسی لئے مخالفت نفس کی عمر بھر ضرورت ہے

مبتدی کو بھی اور منتہی کو بھی دونوں ہی کو کبھی نہ کبھی اعمال میں منازعت کی وجہ سے کسل بھی پیش آتا ہے مبتدی کو زیادہ اور منتہی کو کم اس کسل ہی کو دفع کرنے کیلئے مجاہدہ کی ضرورت ہے نیز کسی وقت دونوں کا نفس اپنے اپنے مرتبہ کے اعتبار سے معاصی کا تقاضا کرتا ہے اس کے مقابلہ کیلئے بھی مجاہدہ کی دونوں کو ضرورت ہے۔(اصلاح کا تیر بہدف نسخہ،صفحہ:۴۷)

مجاہدہ کی دو قسمیں

مجاہدہ کی دو قسمیں : اختیاریہ۔ واضطراریہ۔دونوں میں اللہ کی رحمت ہے مثال اختیاریہ کی یہ ہے کہ خود سے تقلیل لذات کرے،اور اضطراریہ کی یہ ہے کہ خود تو تقلیل لذات آپ نہیں کیا مگر حق تعالی نے اس کو کسی مصیبت میں گرفتار کر دیا رفع درجات کیلئے جیسے بچہ مر گیا پھر اس پر صبر کیا وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيءٍ۔ میں یہی ہے۔(اصلاح کا تیر بہدف نسخہ،صفحہ:۸۹)

اپنی باتوں میں نفسانیت کی تحقیق

ملفوظ(۲۷۳)فرمایا: کہ جس بات میں نفسانیت کا شمول ہوتا ہے اس میں خاصیت یہی ہے کہ دوسرے کو اس سے نفرت ہوتی ہے لیکن چونکہ آدمی کی طبیعت میں اپنے ساتھ حسن ظن رکھا ہوا ہے اس واسطے خود اس کام کو کرتے ہوئے برائی نہیں معلوم ہوتی اسی واسطے محقق نے بھلے برے کی یہ بھی ایک شناخت مقرر کی ہے جس کام کی نسبت یہ معلوم کرنا ہو کہ یہ اچھا ہے یا برا اور اس میں نفسانیت شامل ہے یا نہیں اس میں اس طرح غور کرو کہ یہ کام دوسرا آدمی کرے تو ہم کو برا معلوم ہوگا یا نہیں اور اس سے اکثر باتوں کا حسن وقبح معلوم ہوجاتا ہے۔(اصلاح کا تیر بہدف نسخہ،صفحہ:۹۲)

محاسبہ کی ضرورت کیوں

ملفوظ(۲۵۶)فرمایا: کہ میں نے جو لوگوں کے زعم میں ایک نئی بات جاری کی ہے

جو اپنے بزرگوں میں بھی اس درجہ نہ تھی اور وہ محاسبہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت بغیر اس کے کام چلنا دشوار تھا اس کی نظیر یہ ہے کہ حد خمر حضرت عمر فاروقؓ نے مقرر کی جو نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عہد میں تھی نہ حضرت صدیق اکبرؓ کی عہد میں تھی اگر حضرت عمرؓ پر کوئی بھی اعتراض کرے جو مجھ پر کیا جاتا ہے کہ وہ کام کرتا ہے جو بزرگوں نے نہیں کیا تو جو جواب اس کا حضرت عمرؓ کی طرف سے ہوگا وہی اس عمر کی یعنی میری طرف سے بھی خیال کر لیا جاوے وہ جواب یہی ہے کہ ان حضرات کے زمانہ میں تعزیر اور محاسبہ کی ضرورت نہ تھی اور اب ہے۔ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ:۱۰۶)

شہوت کی مقاومت سے نور پیدا ہوتا ہے

ملفوظ (۲۶۴) فرمایا: کہ ملکات رذیلہ اپنی ذات میں مذموم نہیں ہوتے شہوت ہے وہ بالذات مذموم نہیں چنانچہ جس شخص کی شہوت قوی ہے اس کی مقاومت سے زیادہ نور پیدا ہوتا ہے اور جس کی قوت شہوت کمزور ہے اس کی مقاوت سے وہ نور نہیں پیدا ہوتا تو مدار قرب خداوندی افعال اختیاریہ ہوئے جہاں اختیار کا زیادہ استعمال کیا گیا وہاں زیادہ قرب ہوا۔ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ:۱۰۷)

اہل اللہ کا کوئی کام نفس کیلئے نہیں ہوتا

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اہل اللہ اور خاصان حق کی شان ہی جدا ہوتی ہے۔ ان کا کوئی بھی کام نفس کیلئے نہیں ہوتا ہاں نفس کے کچلنے اور پیسنے کے واسطے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ایک بزرگ کی ایک شخص نے دعوت کی، بلا کر لے گیا اور گھر جا کر کہا آپ خواہ مخواہ چمٹے پھرتے ہیں کس نے آپ کی دعوت کی وہ بزرگ چل دیئے پھر وہ آ کر کہتا ہے کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں میں نے دعوت کی تھی یہ کھانا پکا ہوا رکھا ہے، آپ چھوڑ کر چلے جا رہے ہیں اس کو کون

کھائیگا آپ پھر چلے آئے، کئی مرتبہ اس شخص نے ایسی ہی حرکت کی وہ شخص قدموں پر گر پڑا کہ واقعی آپ بزرگ ہیں۔ سن کر فرماتے ہیں کہ یہ تو کوئی بزرگی نہیں یہ تو کتے کی بھی خاصیت ہے ٹکڑا دکھلا دیا آ گیا ڈنڈا دکھا دیا بھاگ گیا مگر اس قسم کی حرکت بزرگوں کے ساتھ کرنا سخت خطرناک ہے؛ مگر ان کے یہاں رعایت کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا۔

دل دشمناں ہم نکردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام۔

کہ بادوستانت خلاف است جنگ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ:۱۱۷)

رذائل نفس کے ازالہ سے غفلت عام

ملفوظ (۳۳۴) فرمایا: آجکل اکثر جگہ رذائل نفس کے ازالہ کا سلسلہ نہیں صرف فقہی مسائل کی تخلیق ہے اور باتیں بھی ہیں مگر اس کا نام ونشان بھی نہیں اسی وجہ سے لوگوں کو اس طریق سے اجنبیت ہوگئی ہے سمجھتے ہیں کہ اگر یہ کوئی ضروری چیز ہوتی تو اور جگہ بھی تو ہوتی اور واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ چیز اور جگہ ہوتی تو پھر میں اس کا اہتمام نہ کرتا اس لئے کہ مقصود تو حاصل ہو رہا ہے چنانچہ جو کام اور جگہ ہو رہا ہے یعنی فقہی مسائل ان کے متعلق یہاں رجوع کرنے والوں کو کہہ دیتا ہوں کہ یہ فقہی مسئلہ ہے دیوبند سہارنپور سے معلوم کرلو وہاں یہ کام ہو رہا ہے اسی طرح اگر اصلاح اعمال کا بھی اہتمام دوسری جگہوں میں ہوتا تو میں اس کو بھی انہیں کے حوالہ کر دیتا مگر اس کا تو کہیں نام بھی نہیں یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو وحشت ہوتی ہے کہ ساری دنیا میں جو باتیں نہیں وہ یہاں پر آکر دیکھتے ہیں۔ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ:۱۴۸)

معاصی کا زیادہ صدور نفس کی وجہ سے ہوتا ہے

ملفوظ (۳۳۹) فرمایا: شیطان تو کمبختی مارا بدنام ہوگیا ورنہ ہم جیسوں کے بہکانے کیلئے تو نفس ہی بڑی چیز ہے شیطان کی بھی ضرورت نہیں، یعنی ذریت ہی کافی ہے باقی اگر ان سب کے شمروں سے بچنا چاہو تو پہلے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی کہ دشمن مقابلہ پر کون ہے؟ یہ معلوم ہوجانے کے بعد مقابلہ آسانی سے ہوسکتا ہے یعنی پہلے یہ معلوم کرلو کہ اس خاص گناہ کی طرف شیطان رغبت دلا رہا ہے یا نفس؟ سو اس کا معیار یہ ہے جس وقت قلب میں معصیت کا وسوسہ پیدا ہو تو یہ دیکھو کہ باوجود بار بار دفع کرنے کے بعد اگر پھر وہی وسوسہ ہوتا ہے تو یہ نفس کی طرف سے ہے، اسلئے کہ نفس کو گناہ سے محض حظ مقصود ہے اور خاص وقت میں حظ خاص ہی گناہ میں ہے۔ اگر دفع کرنے کے بعد قلب سے وہ وسوسہ نکل جائے دوسرے گناہ کا وسوسہ پیدا ہو تو سمجھو کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اسلئے کہ شیطان کو کوئی خاص حظ مقصود نہیں بلکہ عداوت کی وجہ سے مطلق گناہ میں مبتلا کرنا مقصود ہے، اسلئے یہ شخص ایک سے ہٹے گا تو وہ اس کو دوسرے میں مبتلا کرنے کی کوشش کرے گا، اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ زیادہ تر صدور معاصی کا نفس ہی کی طرف سے ہوتا ہے، مگر لوگ دھوکے میں ہیں کہ ایسے خطرات کے وقت کثرت سے لاحول پڑھتے ہیں، مگر پھر بھی وسوسہ میں کمزوری پیدا نہیں ہوتی، کیوں کہ لاحول نفس کا علاج نہیں، سو کتنی بڑی غلطی میں بوجہ عدم علم کے ابتلاء ہو رہا ہے۔ نفس کا علاج کرو جو گناہ کرانے میں شیطان کی بھی اصل ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ اوروں کو تو شیطان بہکاتا ہے، مگر شیطان کو کس نے بہکایا تھا ظاہر ہے کہ شیطان کو اس کے نفس نے بہکایا تھا تو اصل کون

ہوا نفس ہی تو ہوا البتہ بعد میں حق میں دخل دونوں کو ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو شیطان کا مقابلہ لاحول اور ذکر سے کرو، اور نفس کا مقابلہ ہمت سے کرو، آجکل گڈ مڈ معاملہ ہے سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکنا چاہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ ناکامی ہے اسلئے کسی کامل کی صحبت کی ضرورت ہے ایسے علوم کسی کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں اسلئے کہا گیا کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے بھی زیادہ بھاری ہے۔ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ: ۱۱۵)

تزکیہ کے بغیر علوم ظاہرہ بے روح

مفتی شفیع عثمانیؒ فرماتے ہیں حضرت والد صاحب کی رائے اول سے یہ تھی کہ علوم عربیہ کے نصاب سے فراغت کے بعد کسی بزرگ کی خدمت وصحبت میں رہ کر تزکیہ باطن اور ذکر اللہ کے بغیر علوم ظاہرہ بے روح رہتے ہیں، یہ ضروری ہے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں حضرت تھانویؒ نے ایک بار فرمایا: تصوف وسلوک اعمال باطنہ کی اصلاح کا نام ہے جو ایسا ہی فرض ہے جیسے اعمال ظاہرہ کی اصلاح، اس کو مؤخر کرنا میرے نزدیک درست نہیں آپ نے مجھ سے فرمایا اگر تمہارے پاس فرصت کی کمی ہے تو ہم آپ کو ایسا طریق بتائیں گے جس میں نہ قوت کی ضرورت نہ فرصت کی، پھر فرمایا فرائض وواجبات اور سنن وغیرہ سب مسلمان ادا کرتے ہیں، وہ تو اپنی جگہ ہیں، آپ صرف تین چیزوں کی پابندی کر لیں انشاء اللہ راہ سلوک اس سے طے ہو جائے گا (۱) تقوی اختیار کریں، اس کا مفہوم آپ کو بتلانے کی ضرورت نہیں، البتہ تقوی صرف نماز روزہ اور ظاہری معاملات کا نام نہیں، باطنی اعمال میں بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ظاہری میں ہے (۲) دوسرے لایعنی بے فائدہ کام، کلام، مجلس، ملاقات سے

پرہیز کریں، اور لایعنی سے میری مراد وہ کام ہے جس میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہو نہ دنیا کا، غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے اعمال اقوال مجالس میں بہت سا وقت ایسا گزرتا ہے کہ کام کی بات تھوڑی سی اور بے فائدہ وزائد زیادہ۔ بس ان سے پرہیز کرنا ہے (۳) تیسرے بقدر ہمت وفرصت کچھ تلاوت قرآن کریم روزانہ کرلیا کریں۔ آخر میں فرمایا: نسخہ تو آپ کیلئے اتنا ہی ہے اگر دل چاہے تو اور فرصت بھی ہو تو صبح وشام سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ سو سو مرتبہ استغفار اور درود شریف سو سو مرتبہ پڑھ لیا کرو، اور نماز و کے بعد تسبیح فاطمی کا التزام کرلو۔ راقم السطور بھی الحمد للہ از خود اسی پر عامل ہے۔ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ: ۱۸۴)

نفس کا خرق عادت کی طرف مائل ہونا کیسا ہے

فرمایا کہ میں نے حضرت خواص ؒ سے دریافت کیا کہ خرق عادت کی طرف مائل ہونا کیسا ہے فرمایا کہ بہت بے ادبی ہے کہ بندہ کو نعمت سے تو دلچسپی ہو اور منعم نعمت دینے والے سے نہ ہو کیا تم ادنی درجہ کی چیز یعنی نعمت سے بڑے درجہ کی چیز یعنی منعم کو بدلتے ہو۔ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ: ۱۹۸)

نفس کو تکلیف دینا

حضرت اویس خولانی کو اعمال میں سستی ہو جاتی تھی تو اپنی پنڈلیوں پر کوڑے مارتے تھے۔ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ: ۱۹۲)

اپنے نفس پر ہمیشہ مؤاخذہ کرنا

حضرت ابو العباس فرماتے تھے کہ محبت کامل یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے نفس پر مؤاخذہ اور محاسبہ جاری رکھے۔ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ: ۱۹۳)

وساوس قبض اور گناہوں کے میلان کا فائدہ

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں وساوس اور قبض اور گناہوں کی طرف میلان میں چند الطاف رحمانیہ (اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں) ہیں جن کو دیکھ کر آزمائش میں مبتلا آدمی بے اختیار یہ کہہ کر تسلی حاصل کرے گا۔

اَلَا لَا یَجَارَنَّ اَخُو الْبَلِیَّۃِ فَلِلرَّحْمٰنِ اَلْطَافٌ خَفِیَّۃٌ۔ مصیبت میں مبتلا شخص رونا دھونا اور شکایت نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مہربان کے یہاں بہت نعمتیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان کے فائدے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اس شخص کو کبھی عجب نہیں ہوتا ہے ہمیشہ سمجھتا ہے کہ میں بدحال ہوں۔

(۲) ہمیشہ ڈرتا رہتا ہے اپنے علم وعمل پر کبھی فخر نہیں ہوتا ہے، یہ سمجھتا ہے کہ میرا علم وعمل اور حال کیا چیز ہے اس کی حقیقت دیکھ چکا ہوں۔

(۳) اگر یہ گھاٹی سے گزر چکا ہے تو شیطان کے مقابلے میں اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے، اس سے ڈرتا نہیں کہ بس اس سے زیادہ کیا کریگا۔ اس سے گزرے بغیر لطیف الطبع نازک طبیعت والے کو ہر نقصان دہ صحبت سے خوف ہوتا ہے۔ (۴) اگر مرتے وقت اچانک حالت پیش آجاتی ہے تو پریشان ہو کر نجانے کس کس خیال میں مرتا ہے۔ اگر اس گھاٹی سے گزر چکا ہوتا تو اس حالت کو برداشت کی قوت پیدا ہو جاتی۔ اگر موت کے وقت بھی ایسا ہوا تو پریشان اور بدگمان نہ ہوگا اطمینان سے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں جان دے گا۔

(۵) یہ شخص محقق ہو جاتا ہے دوسرے مبتلا کی مدد آسانی سے کرسکتا ہے۔

(۶) اپنے اوپر ہر وقت اللہ کی رحمت دیکھتا ہے۔

(۷) اس حدیث کے معنی اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے کہ مغفرت بندے کے عمل سے نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگی۔

اس کے علاوہ بہت سے فائدے ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے اسی مجموعہ (کو کہا تھا کوئی اچھی حالت پیدا ہونے والی ہے) اور کوئی علم القاء ہونے والا ہے۔

راقم کہتا ہے کہ یہ مضمون جس سائل کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا، وہ وسائل کہتا ہے کہ چوتھی بہت ہی مفید چیز سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کے شجرہ کا پڑھنا تھا۔ اس کو پڑھتے ہی ایک عجیب حالت ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ دل کے اوپر سے کوئی چیز چھیل دی گئی ہو، اور وہ سارے خیالات کچھ دیر کیلئے ختم ہو گئے میں اس حالت کو اس سے زیادہ بیان نہیں کر سکتا دنیا سے بالکل بے رغبتی ہو جاتی ہے۔ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ: ۲۰۸)

ہمیشہ اپنے نفس کی نگرانی

شیخ ابو مدین فعری متوفیؒ ۵۸۰ھ فرماتے ہیں کہ جو درویش ہر وقت یہ معلوم نہ رکھے کہ میری حالت میں کمی ہوگئی یا زیادتی وہ درویش نہیں، یعنی درویش کیلئے لازم ہے کہ وہ ہر وقت اپنی حالت کی فکر میں رہے اگر زیادتی ہو تو شکر کرے اور کمی ہو جائے تدارک کی فکر کرے۔ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ: ۱۹۶)

نفس کی شرارت کے آثار

حال: مجھے ایک عادت ایسی خراب پڑ گئی ہے جو بہت تکلیف دہ ہے، بلکہ اس کے بارے میں حضور کو لکھتے ہوئے شرم آتی ہے وہ عادت یہ ہے، کہ لوگوں کے نقصان پر اکثر نفس کو خوشی ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص چلتی ہوئی ریل پر چڑھتے ہوئے گرنے لگے تو جی چاہتا ہے کہ وہ گر جائے۔

تحقیق: یہ نفس کی شرارت ہے مگر جب عقل کے اعتبار سے اس کو برا سمجھا جاتا ہو تو یہ نقصان دہ نہیں ہے۔ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ:۲۴۹)

خیالات کا جب ہجوم ہو تو کیا کریں

حضرت نے فرمایا: اس کا سہل علاج یہ ہے کہ جب تخیلات کا ہجوم ہو اپنے قصد و اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف فوراً متوجہ ہو جانا، اور متوجہ رہنا چاہئے، اس کے بعد اگر پھر تخیلات باقی رہیں یا نئے آویں ان کا رہنا یا آنا غیر اختیاری ہے کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع نہیں ہو سکتے، پس اشتباہ رفع ہو گیا، اور اگر بلا اختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جاوے، اور جب تنبہ ہو ذہول کا تدارک تو استغفار سے پھر اسی تدبیر پر استحضار سے کام لیا جائے۔ (اصلاح کا تیر بہدف نسخہ، صفحہ:۲۸۴)

جب علامہ سید سلیمان ندوی نے رحمۃ اللہ علیہ دربارِ اشرفی سے فیض اٹھانے کے بعد فرمایا علم کسے کہتے ہیں

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کا نام آپ حضرات نے سنا ہوگا، یہ ہمارے حضرت تھانوی کے خلفاء میں سے ہیں، ندوہ کے بڑے فاضلین میں سے تھے اور ہمارے اکابر سے زیادہ تر علیحدہ ہی رہتے تھے، پھر کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کی دولت نصیب ہوئی اور وہاں آنے جانے لگے۔ ایک مجلس میں بیٹھے تھے، مجلس کے بعد حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب جو کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ تھے اور سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی ان سے بہت تعلقات تھے، ان سے فرمایا کہ: ''آج مجھے معلوم ہوا کہ علم کسے کہتے ہیں''۔

حالانکہ وہ بہت بڑے عالم فاضل تھے۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب نے موقع پا کر یہ بات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے گوش گذار کی کہ سید صاحب یوں کہہ رہے تھے، حضرت خاموش ہو گئے اور اگلے دن پھر مجلس ہوئی تو حضرت نے دوران مجلس فرمایا کہ ''اونٹ جب تک پہاڑ کے دامن سے نہ نکلے اپنے آپ کو بہت اونچا سمجھتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرے سے اونچا کوئی نہیں ہے''۔ حضرت نے بڑی عجیب اصلاح فرمائی اور یہ ایک میں نے حضرت کی مثال دی ورنہ تمام مصلحین امت اسی طرح کرتے ہیں۔ (دعوت فکر و عمل، ص/211)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

سید صاحب واپسی کے لئے مصافحہ کرنے لگے، ہاتھ میں ہاتھ دیا تو عرض کرنے لگے کہ حضرت مجھے کوئی نصیحت فرما دیں، تو حضرت نے فرمایا کہ: ''آپ خود عالم ہیں، میں آپ کو کیا نصیحت کروں، بس یہ کہتا ہوں کہ جتنا ہو سکے اپنے آپ کو مٹایئے''۔ حضرت سمجھ گئے کہ ان میں اس بات کی ضرورت ہے، ہر شخص میں الگ الگ بیماریاں ہوتی ہیں جسے طبیب کامل ہی سمجھ سکتا ہے۔ وہی علاج بھی تجویز کرتا ہے جو کہ مفید ہوتا ہے، ایک ہی علاج سب کے لئے نہیں ہو سکتا۔ سید صاحب کا ہاتھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تھا، حضرت کی نصیحت کا اتنا اثر ہوا کہ سید صاحب کی چیخ نکل گئی اور رو پڑے۔ یہ اللہ والوں کی مجلس کے اثرات ہوتے ہیں۔

خواہشات کی پیروی صریح گمراہی ہے

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَّهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔

''بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے گمراہ ہو رہا ہے تو خدا نے بھی اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اب خدا کے سوا اس کو کون راہ راست پر لا سکتا ہے؟ بھلا تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے۔

جو لوگ نفسانی خواہشات پر چلتے ہیں ان کا خدا ان کی اپنی خواہش ہے، وہ اسی کی پوجا کرتے ہیں، اسی کی مانتے ہیں، آدمی میں خواہش کا ایک عجیب مادّہ ہے۔ جسے چاہت یا طبیعت کا میلان کہتے ہیں۔ اگر آدمی اپنی چاہت پر چلے گا تو کبھی بھی سیدھے راستے پر نہیں چل سکتا، اسلام کہتا ہے کہ اپنی مرضی چھوڑ کر رب کی مرضی پر چلو۔ (موضوعاتی قرآن، ص/22)

خواہشاتِ نفسانیہ سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں: نفس کی خواہشات سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟

نفس نتواں کشت الّا ظلِّ پیر

دامنِ آں نفس کش را سخت گیر

نفس مر نہیں سکتا جب تک کسی شیخِ کامل اور ولیِ کامل کا سایہ نہیں پڑے گا۔ اس کی صحبت نصیب نہیں ہوگی۔ لہٰذا اللہ والوں کے دامن کو مضبوط پکڑ لو۔ حضرت حکیم اختر صاحبؒ فرماتے ہیں: میرے شیخ شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ شعر پڑھایا تو فرمایا کہ اللہ والوں کے دامن کو مضبوط پکڑنے کا کیوں حکم دیا؟ تو فرمایا کہ بات یہ ہے کہ جب شیخ انڈا کھلائے گا، چائے پلائے گا، حلوہ کھلائے گا تو کہے گا کہ ارے! ہمارا شیخ بڑا پیارا ہے، اور جس

دن کسی غلطی پر ڈانٹ لگائے گا تو کہے گا کہ یار! کیا کہیں! بڑے کڑیل شیخ سے پالا پڑا ہے، بڑا اجلاّدی معلوم ہوتا ہے، دیکھو تو! کیسے گرمی دِکھا رہا ہے۔ تو وجہ یہ ہے کہ جب شیخ کا دامن مضبوط پکڑو گے تو استقامت کے ساتھ رہو گے کیوں کہ وہ کبھی آپریشن بھی کرسکتا ہے۔

ایک صاحب حکیم الامتؒ کی خدمت میں گئے اور کچھ دن بعد سب کو ڈانٹنا شروع کردیا۔ حضرت سمجھ گئے کہ اس کے دماغ میں تکبر ہے۔ یہ یہاں آکر خود مولانا اشرف علی بن گیا۔ سب کو ڈانٹ رہا ہے کہ یہ لوٹا یہاں کیوں رکھا اور تم نے یہاں ایسا کیوں کردیا؟ ایک دن حضرت نے ان سے فرمایا کہ تم یہاں مریض کی حیثیت سے آئے ہو یا ڈاکٹر کی حیثیت سے؟ خود سب کے ڈاکٹر بنے ہوئے ہو تمہارے مزاج میں تکبر معلوم ہوتا ہے لہٰذا اب تم ذکر ملتوی کردو۔ ذکر کے لیے میں ترک کا لفظ نہیں کہوں گا کیوں کہ ادب کے خلاف ہے۔ تمہارا معدہ جو ہے وہ حلوہ کے قابل نہیں ہے تمہیں قے ہو رہی ہے صفراء ہے لہٰذا کڑوی دوا دی جائے گی کیوں کہ تمہارے نفس میں بہت زیادہ بڑائی آگئی کہ میں بہت بڑا قطب العالم ہوں اب تم نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کرو اور نالیوں سے بلغم صاف کرو۔ بس چند دن میں ٹھیک ہو گئے۔ اور حضرت نے بعضوں کے تکبر کا علاج یہ بھی بتایا کہ پانچوں نمازوں میں جماعت کے بعد کھڑے ہو کر کہو کہ صاحبو! مجھے تکبر کا مرض ہے آپ لوگ دعا کریں کہ میرا مرض اچھا ہو جائے۔

اللہ کا راستہ شیخ کی دعا سے طے ہونا ہے

ایک صاحب نے حکیم الامتؒ کو لکھا کہ میرے اندر تکبر کا مرض ہے اور وہ تھے خان صاحب، ان کو میں نے کراچی میں دیکھا تھا، تو حضرت نے لکھا کہ یہ بات ہر خط میں لکھو! خود

انھوں نے بتایا کہ اس علاج سے میں بالکل ٹھیک ہوگیا۔ میرے شیخ شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر کسی کا پیر کچھ وظیفہ نہیں بتائے خالی یہ کہہ دے کہ تم خانقاہ میں جھاڑو لگاؤ اور میرے مہمانوں کو چائے بنا کر پلاؤ تو وہ اسی سے ولی اللہ ہوجائے گا۔ اور فرماتے تھے کہ اللہ کا راستہ شیخ کی دعا سے طے ہوتا ہے۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد، ص 411)

شہوتِ نفسانی و بدنگاہی سے متعلق نفس کی شرارتوں کے چند نمونے مع ہدایات

(۱) ایک حاجی صاحب نے مکہ شریف میں کہا کہ انڈونیشیا کی کم عمر لڑکیاں بڑی تعداد میں سفید برقعے پہنے ایک طرف کو بیت اللہ میں اِس طرح جمع ہو کر بیٹھتی ہیں جیسے بہت سی سفید کبوتریاں بیٹھی ہوں اور اُن کے چہروں پر بڑا ہی نور معلوم ہوتا ہے۔ احقر نے کہا: حاجی صاحب! توبہ کیجیے، یہ تو نفس کی بڑی خفیہ شرارت ہے۔ اُن نامحرم لڑکیوں کے چہروں پر نور کا پتا لگانے کے بہانے سے شیطان نے آپ کو بدنگاہی کے فعل حرام میں مبتلا کر دیا۔ اُن کو اتنے اہتمام سے دیکھنا، اُن کے چہروں کی نورانیت کا پتا لگانا یہ سب کب جائز ہے۔ آپ کو کعبہ شریف میں اور لوگوں کے چہروں پر نور نظر ہی نہ آیا۔ اُنھوں نے فوراً توبہ کی اور نفس کے مکر کو سمجھ گئے۔

(۲) حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زندگی میں جس نامحرم کی طرف میلانِ نفسانی کا احساس نہ ہوا اور اُس کے انتقال کے بعد بہت صدمہ محسوس ہوا اور بار بار اُس کی یاد ستائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اُس سے نفس کا تعلق ضرور تھا اگرچہ خفیف اور کم درجہ کا تھا جو اُس کی موت اور جدائی سے تیز ہوگیا فوراً استغفار کرنا چاہیے۔

(۳) بدنگاہی کا جس قدر شدید تقاضا ہوتا ہے اُسی قدر اُس کو روکنے میں نور بھی قوی قلب میں پیدا ہوتا ہے، اور سالکین کا سلوک اِسی مجاہدہ سے طے ہوتا ہے ورنہ حق تعالیٰ تو

ہماری رگِ جان سے بھی قریب تر ہیں پھر اُن کا راستہ چلنے اور طے کرنے کے کیا معنیٰ ہوں گے۔ اکابر مشائخ نے یہی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ طے کرنا اور قربِ الٰہی حاصل کرنا اِسی طور پر ہے کہ اپنی خواہشات کو مجاہدات سے توڑ کر احکامِ الٰہی کے تابع کر دے۔ پس اِس طرح ہر وقت قرب بڑھتا رہتا ہے۔

(۴) حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جب جسم کو خدا کے راستے میں تکلیف ہوتی ہے تو روح میں نور پیدا ہوتا ہے پس بدنگاہی کے تقاضوں سے رُکنے میں دل کی تکلیف کے ساتھ ساتھ روح میں نور پیدا ہوتا ہے۔ کسی صاحبِ ذوق کا خوب شعر ہے ؎

میکدہ میں نہ خانقاہ میں ہے
جو تجلّی دلِ تباہ میں ہے

(۵) کبھی سامنے چہرے سے تو آدمی آنکھیں بچا لیتا ہے مگر پھر پیچھے سے اُس کے لباس یا کسی عضو پر نظر ڈال کر لطف لیتا ہے اِس سے بھی احتیاط چاہیے۔ نامحرم کا جسم اور لباس بھی نہ دیکھنا چاہیے اور کوتاہی پر استغفار کرنا چاہیے۔

(٦) عورتوں سے گفتگو کے وقت نفس اپنی آواز کو نرم کر کے بات کرتا ہے تاکہ اُس کے دل کو خوش کرے یہ بھی گناہ ہے۔ اِسی طرح حسین لڑکوں سے بھی بات چیت میں نرم لہجہ میلانِ نفس سے اختیار کرنا گناہ ہے۔

(۷) کبھی پوری نظر سے آدمی نہیں دیکھتا لیکن گوشۂ چشم سے دیکھ کر کچھ مزہ لے لیتا ہے، یہ عمل بھی دل کو خراب کرتا ہے اور گناہ ہے۔ نفس کی اِن شرارتوں سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے۔ ذکر و فکر کا محنت سے کمایا ہوا نور ذرا سی غفلت میں ضایع ہو جاتا ہے۔

(۸) بدنگاہی سے بچنے کے وقت بعض لوگ نگاہ تو نیچی کرکے آگے بڑھ جاتے ہیں مگر دل اُس کے ساتھ ہوتا ہے یعنی دل میں اُس کے تصور سے لطف لیتے ہیں، اِس لئے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ نگاہِ چشمی کی حفاظت کے ساتھ نگاہِ قلبی کی بھی حفاظت کا اہتمام ہونا چاہیے۔ یعنی قلب کو بھی اُس سے ہٹالے۔ اور کسی دوسرے خیال میں مصروف ہوجاوے، اور سب سے بہتر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوجانا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نگاہِ چشمی اور نگاہِ قلبی کو بہ یک وقت ساتھ ہی ساتھ دُور کرلے۔

(۹) حدیث پاک میں گناہوں سے دُوری اللہ تعالیٰ سے اتنی مانگی گئی ہے جتنی دُوری کہ مشرق اور مغرب میں ہے۔ بزرگوں نے فرمایا کہ عورتوں سے اور لڑکوں سے اختلاط اور بالخصوص تنہائی میں میل جول اور بات چیت کرنے والے اُن کے فتنے اور گناہ میں ایک نہ ایک دن مبتلا ہو ہی جاتے ہیں بالخصوص سالکین کو شیطان اکثر دوصورتوں سے خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے یا تو بڑائی دل میں ڈال کر تکبر کی لعنت میں مبتلا کرکے خدا سے دُور کردیتا ہے یا پھر عورتوں یا لڑکوں کے عشق میں مبتلا کرکے تباہ کردیتا ہے۔ اور یہ ابتلا بہت آہستہ آہستہ رفتار سے کرتا ہے یعنی پہلے غیر محسوس طور پر کسی حسین کی آنکھوں سے متأثر کردیتا ہے پھر آہستہ آہستہ اختلاط میل جول بڑھاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ صرف دل بہلانے میں کیا مضایقہ ہے گناہ نہ کریں گے لیکن جب زہرِ عشق آہستہ آہستہ دل پر چھا جاتا ہے پھر بقول حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہ جب کیچڑ زیادہ ہوجاتی ہے تو ہاتھی بھی پھسل جاتا ہے پھر بدعملی کا نمبر بھی آجاتا ہے۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، ص/ 94)

(۱۰) حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت لکھی ہے کہ ایک صاحب جو مرید حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھے، بہت بوڑھے آدمی تھے۔ تھانہ بھون خط لکھا

کہ آپ تعویذ دے دو ایک نوجوان سے محبت ہے، وہ آج کل ناراض ہے دل گھبرا رہا ہے۔ اُسی سے دل بہل جاتا تھا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب ارقام فرمایا کہ توبہ کیجیے، یہ نفس کی شرارت ہے، کسی حسین نوجوان سے دل بہلانا حرام ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ جس خوبصورت نوجوان سے گفتگو میں نفس کو لذّت ملنے لگے فوراً اُس سے دُور ہو جانا چاہیے کہ یہ نفس کا حصہ ہوگا اور ظلمت کا سبب ہوگا۔

(۱۱) ایک تاجر پارچہ فروش ادھیڑ عمر کا آنکھوں میں گہرا سرمہ لگائے ہوئے ہر خریدار عورت کو للچائی نظر سے دیکھتا ہوا خالہ امّاں کہہ کہہ کر بات کرتا تھا تو واضح ہو کہ کسی اجنبیہ اور نامحرم عورت کو خالہ امّاں کہنے سے وہ نہ خالہ ہو جاتی ہے نہ امّاں ہو جاتی ہے یہ محض اپنے نفس کو دھوکا دینا ہے اور شرارتِ نفس کا بہانہ ہے اِس طرح عورتیں بھی دھوکا کھا جاتی ہیں کہ اُس کی نیت بُری کیا ہو سکتی ہے یہ تو خالہ امّاں کہہ رہا ہے۔ خدا کی پناہ! یہ سب فسق و فجور اور گناہ کے سوا کچھ نہیں۔

(۱۲) ایک نواب صاحب جو ذاکر شاغل کسی بزرگ سے بیعت بھی ہیں کہنے لگے کہ ایک رشتہ دار کے یہاں عورت کا ناچ دیکھنا ہے۔ اُن سے اُن کے دوست نے کہا کہ آپ ذکر بھی کرتے ہیں اور یہ فعل ناجائز اور حرام بھی کرتے ہیں۔ اِس سے آپ کے ذکر کا نور سب ضایع ہو جاوے گا۔ کہنے لگے: صاحب واہ! آپ ذکر کی طاقت اور نور کی توہین کر رہے ہیں۔ ذکر کا نور اور ذکر کی طاقت کو ہمارے گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ دیکھیے کس طرح شیطان نے حسین لفظوں کے چکر میں ڈال کر گناہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اِس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی حکیم کسی مریض کو خمیرہ مروارید کھلائے اور کہے خبردار! سنکھیا کا زہر مت کھانا ورنہ خمیرہ کا اثر ختم ہو جاوے گا۔ اور دل پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہو جاوے گا بلکہ موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اب

وہ مریض کہے گا کہ واہ صاحب پھر آپ کا خمیرہ ہی کیا ہوا۔ یہ سب نفس اور شیطان کا دھوکا ہے۔ اگر گناہ مضر اور نقصان دہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم کو کیوں منع فرماتے۔ حدیث پاک میں ہے:

اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ ۔

اے ابو ہریرہ! حرام اعمال سے بچو، تم سب سے زیادہ عبادت گزار ہو گے۔

دُنیا کی محبت میں محبوب کی ذرا سی ناراضگی برداشت نہیں ہوتی ہے پھر گناہوں سے مولائے کریم کی ناراضگی پر کیسے صبر آ جاتا ہے۔

اے کہ صبرت نیست از فرزند و زن
صبر چوں داری ز ربّ ذو المنن

اے لوگو! تمہیں بیوی بچوں سے تو صبر نہیں ہوتا لیکن مولائے کریم سے کیسے صبر آ جاتا ہے۔

محبوبِ فانی پر شاعر فانی بدایونی کا شعر ہے کہ۔

میں نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا مجھے

انصاف تو کیجیے کہ یہاں تو مزاجِ یار کے کچھ ناراض ہونے سے عاشق صاحب کی اپنی نبض نہیں ڈوبی بلکہ کائنات کی نبض ڈوبتی معلوم ہوئی اور اللہ تعالیٰ جو محبوبِ حقیقی ہیں اُن کی محبت میں اُن کی ناراضگی کی پرواہ نہ ہو تو دراصل محبت کا یہاں محض زبانی دعویٰ ہے۔

حکیم الامّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ان اکابر نے تو یہاں تک لکھا کہ قلب کا نور فضول اور لغو کلام سے بھی کم ہو جاتا ہے پھر سوچئے گناہ کا ارتکاب اور نامحرم عورتوں کا گانا اور ناچ۔ خدا کی پناہ! یہ غضبِ الٰہی کا خریدنا اور پھر یہ گمان کہ ہم ذاکر ہیں اور ولی بھی ہیں۔ (روح کی بیماریاں اوران کا علاج، ص/ 94)

نفسانی محبت کا انجام نفرت ہے

اب میں آپ کو ایک بات اور بتاتا ہوں، مشائخ کاملین نے لکھا ہے، حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے اور مولانا رومی نے بھی اس کی تائید فرمائی ہے کہ دنیاوی محبت، نفسانی محبت کا انجام نفرت ہے۔ اس پر سارے مشائخ کا اجماع ہے، یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے، تمام مشائخ کاملین اور علمائے ربانیین کا اجماع ہے کہ جو کسی سے نفس کے لیے محبت کرتا ہے، دنیاوی غرض کے لیے محبت کرتا ہے چاہے مال حاصل کرنے کے لیے، چاہے جاہ حاصل کرنے کے لیے، چاہے حسینوں سے آنکھوں کو خراب کرنے کے لیے، کچھ دن کے بعد جب غرض ختم محبت ختم، بلکہ محبت نفرت سے تبدیل ہوجاتی ہے۔ وہ تو بے چارہ دھوکے میں تھا کہ یہ میرا مخلص ہے لیکن تھا وہ مال کا عاشق، جب صراحی سے پانی ختم ہوگیا تو گلاس لے کر بھاگ گیا۔

بوقت تنگ دستی آشنا بے گانہ می گرد

دصراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ می گردد

تنگ دستی میں، مشکل گھڑی میں اپنے بیگانے ہوگئے، صراحی خالی ہوگئی تو پیمانہ جدا ہوگیا۔ یعنی گلاس وہاں سے بھاگ نکلا، صراحی سمجھتی تھی کہ یہ گلاس میری ذات سے محبت رکھتا ہے، لیکن معلوم ہوا اس کو پانی سے تعلق تھا۔ تو مال والی محبت کا انجام یہ ہوا کہ مال ختم ہوا، آدمی غریب ہوا تو عاشق لوگ بھاگ نکلے کیوں کہ اس کے چائے پانی، حلوہ پراٹھے کے عاشق تھے۔ ایسے ہی کوئی حسینوں کے رنگ وروپ پر عاشق ہوا، جب رنگ بدل گیا تو وہاں سے بھاگ گئے۔ حاجی امداد

اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو محبت اللہ کے لیےنہیں ہوتی، دنیا کے لیے ہوتی ہے، اس محبت کا انجام نفرت ہے، نفرت ہے، نفرت ہے۔ایک دن نہ تم اس کو دیکھو گے نہ وہ تمہیں دیکھے گا، وہ تم سے بھاگے گا، تم اس سے بھاگو گے۔ (قرب الٰہی کا اعلیٰ مقام، ص/10)

نفس کا محاسبہ

تزکیۂ نفس کے لئے تیسرا ذریعہ ''محاسبۂ نفس'' ہے۔علامہ ابن قیمؒ کے الفاظ میں ''محاسبہ'' یہ ہے کہ'' آدمی اپنے لئے مفید اور مضر کی تمیز کر لے اور پھر مفید کو اپنائے اور مضر سے دور ہو جائے''۔ (مدارج السالکین: ۱/۱۶۹)

''محاسبۂ نفس'' ہی وہ میزان ہے جس کی روشنی میں ایک بندۂ مومن اپنی زندگی کو سنوار سکتا ہے۔کیوں کہ محاسبہ کے بعد ہی اسے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ زندگی کے کس موڑ پر کھڑا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو احتساب نفس کی تعلیم دی:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوااللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ۔(الحشر ۱۸)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چاہئے کہ آدمی کل کیلئے جو اس نے عمل کیا ہے اس کا انتظار کرے۔

تجسس اور بدگمانی کی انتہاء ''غیبت'' ہے

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بدگمانی''، تجسس ان سب کا منشا کبر ہے، بلکہ متکبر کی غرض پوری طرح غیبت ہی سے حاصل ہوتی ہے، بدگمانی اور تجسس اسی کے مقدمات ہیں، اگر کوئی شخص تجسس اور

بدگمانی کرے مگر غیبت نہ کرے تو اس کا مقصود حاصل نہ ہوگا اسی لئے بدگمانی اور تجسس کو بھی ترک کردے گا، پس غیبت سب سے اشد ہے۔

یعنی یہ تینوں بیماریاں بدگمانی، تجسس اور غیبت یہ سب اور بیماری سے پیدا ہوتی ہیں، وہ ہے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، جب آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے تب ہی وہ دوسرے سے بد گمان ہوتا ہے اور تب ہی دوسرے کی ٹوہ میں لگتا ہے کہ اس کا کوئی عیب میرے ہاتھ میں آجائے اور تب ہی اس کی غیبت کرتا ہے اور اصل ان تینوں میں غیبت ہے، اور متکبر کو اصل مزہ تو غیبت کرنے میں آتا ہے، لیکن غیبت کی تمہید کے طور پر وہ متکبر بدگمانی اور تجسس کو استعمال کرتا ہے کہ جب میں بدگمانی اور تجسس کروں گا، تو اس کے نتیجے میں غیبت کرنے کا موقع ملے گا، لہذا بدگمانی اور تجسس غیبت کے مقدمات ہیں، کیونکہ تجسس کے نتیجے میں کوئی عیب ظاہر ہوگا تو اس کو لوگوں کے سامنے بیان کروں گا اور بدگمانی کے نتیجے میں کوئی عیب دل میں آئے گا تو اس کو لوگوں کے سامنے بیان کروں گا، لہذا آخری نتیجہ تو غیبت ہے، جو متکبر کی اصل غرض ہے، ایسا آدمی ملنا مشکل ہے جو بدگمانی کرے اور تجسس بھی کرے، لیکن پھر آگے غیبت نہ کرے کیونکہ وہ بدگمانی اور تجسس اسی لئے کر رہا ہے کہ وہ غیبت کا مزہ لینا چاہتا ہے، اصل مقصود تو غیبت ہے، یہ بدگمانی اور تجسس تو درمیان کے آلے اور واسطے ہیں، لہذا ان سب بیماریوں میں سب سے زیادہ اشد اور قابل توجہ بیماری ''غیبت'' ہے، اگر غیبت چھوٹ گئی، تو پھر بدگمانی اور تجسس بآسانی چھوٹ جائے گی۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۷۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سکوت

امام شافعیؒ سے جب کوئی شخص سوال کرتا، تو آپ خاموش رہتے، فوراً جواب نہیں دیتے تھے، کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں، لیکن آپ کچھ دیر

تک خاموش بیٹھے رہتے ہیں، جواب میں فرمایا: **حتی اعرف ان الفضل فی السکوت او فی الکلام**، یعنی میں اس وقت تک خاموش رہتا ہوں جب تک میرے سامنے یہ واضح نہ ہو جائے کہ بہتری بولنے میں ہے، یا خاموش رہنے میں ہے۔ یہ درحقیقت اس مقولے پر عمل ہو رہا تھا کہ ''پہلے تولو پھر بولو''۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۲۷۵)

علّامہ سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا علوم تو ان بڑے میاں کے پاس ہیں

حضرت علامہ تقی عثمانی مدظلہ العالی روح کی بیماریاں اور ان کے علاج میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ: حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سہ دری میں بیٹھ کر تصنیف کا کام کر رہے تھے اور حضرت سید صاحبؒ ایسی جگہ پر کھڑے ہو کر حضرت تھانویؒ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے تھے، جہاں سے حضرت تھانویؒ ان کو نہ دیکھ سکیں، میں اچانک پیچھے سے ان کے قریب پہنچا اور کہا کہ حضرت یہاں کیا کر رہے ہو؟ کیا دیکھ رہے ہو؟ میرے سوال پر اچانک چونک پڑے اور کہا کہ کچھ نہیں، میں نے جب اصرار کیا تو فرمایا کہ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ ساری زندگی جن چیزوں کو علوم سمجھتے رہے، وہ تو جہل ثابت ہوئے، علوم تو ان بڑے میاں کے پاس ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو وہ مقام بخشا کہ خود ان کے شیخ حضرت تھانویؒ نے ان کے بارے میں یہ شعر کہا ؎

از سلیمان گیر اخلاص عمل

دان تو ندوی راہ منزہ از دغل

یہ شعر حضرت تھانویؒ نے حضرت سید صاحبؒ کے بارے میں کہا، بہر حال اپنے آپ کو مٹانا پڑتا ہے، تب جا کر کچھ بنتا ہے۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے

کہ دانا خاک میں مل کر گل گلزار بنتا ہے

کسی کے در پر رگڑے کھائے بغیر یہ چیز حاصل نہیں ہوتی، اس لئے کہا جاتا ہے کہ شیخ کی نگرانی میں یہ عمل کرے۔ (روح کی بیماریاں اوران کا علاج، صفحہ ۲۵۵، علامہ تقی عثمانی)

حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع

شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں: ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطب ابتداء میں رابسن روڈ پر تھا، اسی زمانہ میں میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا اسی مطب کے کچھ فاصلے پر مکان تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں مطب میں بیٹھا ہوا تھا اور میرے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے ،حضرت ڈاکٹر صاحب کے پاس ظاہری بیماریوں کے مریض بھی آتے تھے اور باطنی بیماریوں کے مریض بھی آیا کرتے تھے، تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ میں دودھ کی پتیلی لیئے ہوئے سڑک پر سامنے سے گزر رہے ہیں، میں نے سوچا کہ یا اللہ یہ مفتی اعظم !اس طرح سڑک پر پتیلی ہاتھ میں لیئے جا رہا ہے، جو لوگ مطب میں بیٹھے ہوئے تھے، ان سے میں نے پوچھا کہ یہ شخص جو پتیلی ہاتھ میں لیئے جا رہا ہے ،جانتے ہو یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے، آپ نے فرمایا کہ یہ پاکستان کے مفتی اعظم ہیں اور ہاتھ میں پتیلی لئے ہوئے اس طرح جا رہے ہیں جس طرح ایک عام آدمی جاتا ہے۔ (روح کی بیماریاں اوران کا علاج، صفحہ ۱۵۶)

شریر آدمی کی خاصیت

شریر آدمی کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو جتنی زیادہ نعمتیں ملتی ہیں، اتنا ہی اس کی رعونت میں اضافہ ہوگا، اس کی فرعونیت بڑھے گی، متنبی شاعر بھی کبھی کبھار بڑی حکیمانہ باتیں کہہ دیتا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ:

اذاانت اکرمت الکریم ملکته

وان انت اکرمت الئیم تمردا

یعنی اگر تم شریف آدمی کی عزت کروگے، اس کے ساتھ اچھا معاملہ کروگے، تو تم اس کے مالک بن جاؤ گے، وہ تمہارا غلام بن جائے گا، اس لئے کہ شریف آدمی تمہارا احسان نہیں بھولے گا، اس کے نتیجے میں وہ تمہارا غلام اور تم ان کا مالک بن جاؤ گے، اور اگر تم کمینے آدمی کا اکرام کروگے، تو چونکہ وہ کمینہ آدمی تھا، وہ اکرام کے قابل نہیں تھا، مگر تم نے اس کی عزت کر کے اس کو سر پر چڑھا دیا تو اس کے نتیجے میں وہ سرکش بن جائے گا۔

یہی معاملہ ہر انسان کا ہے، اگر انسان کو نعمتیں ملتی جائیں اور اس کے نتیجے میں اس کا سر اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتا چلا جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ بندہ شکر گزار ہے اور اگر اب وہ نعمت کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ الحمدللہ فلاں نعمت حاصل ہے، اور یہ بات وہ ڈرتے ڈرتے کہتا ہے کہ کہیں تکبر اور تعلّی نہ ہو جائے، تو معلوم ہوا کہ یہ تحدیث نعمت کے طور پر یہ بات کہہ رہا ہے اور اگر نعمت ملنے کے بعد وہ منہ اٹھا کر، اپنی بڑائی بیان کر رہا ہے کہ میں ایسا ہوں، میں نے ایسا کیا، میں ایسا کیا، تو اس صورت میں وہ چاہے تحدیث نعمت کے الفاظ استعمال کرے، لیکن حقیقت میں وہ تحدیث نعمت نہیں، بلکہ وہ تکبر ہے۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۲۶۳)

خود اپنا علاج کرنا نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے

ایک صاحب نے یہ دیکھا کہ حضرت تھانویؒ نے فلاں شخص کو یہ علاج بتایا ہے کہ تم نمازیوں کے جوتے سیدھے کیا کرو، اب بجائے اس کے کہ اپنے علاج کیلئے خود رجوع کرتے اور اپنے لئے علاج تجویز کراتے، ان صاحب کو دیکھ کر خود اپنا علاج شروع کر دیا اور نمازیوں کے جوتے سیدھے کرنے شروع کر دئے، حضرت کو پتہ چلا کہ فلاں صاحب نے خود سے یہ کام شروع کر دیا ہے، آپ نے اس کو بلایا اور اس سے فرمایا کہ اس طرح علاج نہیں ہوا کرتا، اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ تمہارے اس طرح لوگوں کے جوتے سیدھے کرنے سے تمہارے تکبر میں اور زیادہ اضافہ ہوگا، اس تکبر میں کمی نہیں ہوگی اس لئے کہ دماغ میں شیطان یہ بات بٹھائے گا کہ دیکھو کتنا متواضع ہے، لہذا یہ نہیں ہوسکتا کہ آدمی خود اپنے تکبر کا علاج کرنے بیٹھ جائے، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس کو یہ علم عطا کیا ہو، وہی یہ کام کرسکتا ہے۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۲۴۱)

عالم کو اصلاح کی زیادہ ضرورت ہے

حضرت علّامہ تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ہمارے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے، یہ علم دو دھاری تلوار ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس علم میں نور عطا فرما دے، اس میں برکت عطا فرمادے، تو اس کو نافع بنادے، تو سبحان اللہ یہ علم کیا عجیب وغریب چیز ہے، لیکن اگر خدانخواستہ اس علم میں نور اور برکت نہ ہو، اس میں نافعیت نہ ہو اور یہ انسان کو کبر اور گھمنڈ میں مبتلاء کردے تو پھر اس علم سے زیادہ مہلک چیز کوئی بھی نہیں ہے، حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جتنی مرغن اور شاندار اور مزیدار غذاء ہوتی ہے سڑنے کے بعد وہ اتنی ہی

زیادہ بدبودار بن جاتی ہے، اگر معمولی غذاء ہے جس میں روغن نہیں ہے اس کے سڑنے سے تھوڑی بہت بدبو پیدا ہوگی ،لیکن مرغن غذا سڑنے کے بعد سارے محلہ کو متعفن کر دے گی ،اسی طرح جتنے اونچے سے انسان گرتا ہے، اتنی ہی زیادہ چوٹ لگتی ہے، اسی طرح یہ علم اگر چہ اعلیٰ درجے کی چیز ہے، لیکن اگر یہ خراب ہو جائے اور انسان کو تکبر اور گھمنڈ میں مبتلا کر دے، تو یہ علم انسان کیلئے اتنا مہلک ہے، اس کیلئے خاص طور پر عالم کو اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ وہ کسی سے اپنی اصلاح کرائے۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۲۴۷)

''ہم بھی کچھ ہیں'' کا خیال نقصان دہ ہے

بہرحال یہ علم ایک تو بذات خود فی نفسہ طالب علو ہے، اس لئے صاحب علم کے اندر تکبر پیدا کرتا ہے، دوسری آفت اس علم میں یہ ہے کہ لوگ حامل علم دین کی عزت کرتے ہیں، کوئی اس کے ہاتھ چوم رہا ہے، کوئی اس کے پاؤں چوم رہا ہے، کوئی اس کیلئے عزت سے کھڑا ہو رہا ہے، کوئی اس کیلئے ہدیہ لا رہا ہے، کوئی دعوت کر رہا ہے، ان افعال کے نتیجے میں وہ حامل علم اپنے بارے میں یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہم بھی کچھ ہیں ، یہ اتنی ساری مخلوق جو ہماری عزت کر رہی ہے ، ہمارے پیچھے پھر رہی ہے ،آخر کچھ تو ہمارے اندر کمال ہوگا۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۲۴۹، علامہ تقی عثمانی)

سوچ کر بولنے کا خیال رکھنے کی تاکید

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے غیبت سے بچنے کیلئے ایک اصول ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ بے سوچے ہرگز کوئی کام نہ کیا جائے اگر چہ بعض اوقات یہ بھی نہ یاد رہے گا کہ سوچ کر بولوں ، مگر خیال رکھنے سے اکثر اوقات یاد رہے گا کہ سوچ کر بولوں ، پھر ان شاء اللہ

ذہول نہ ہوگا، پس جب سوچ کر بولا جائے، تو ہر کلام سے پہلے یہ سوچ لینا چاہئے کہ اس کلام سے گناہ تو نہ ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے بہت کچھ اصلاح ہو جائے گی۔ (انفاس عیسیٰ)

یعنی بے سوچے سمجھے بولنے کی جو عادت پڑی ہوئی ہے اس کو ختم کرو، بولو تو سوچ کر بولو اور یہ سوچو کہ جو کلمہ میں زبان سے نکالنا چاہتا ہوں وہ کہیں مجھے گناہ میں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا نہ کر دے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: **قل خیرا او الا فاصمت۔**

یا تو بھلائی کی بات کہو، ورنہ خاموش رہو، خاموش رہنا ہزار درجہ بہتر ہے، بہ نسبت اس کے کہ آدمی فضول ایسی باتیں کرتا پھرے جو اس کیلئے عذاب جہنم کا باعث ہوں۔

(روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۱۵۳)

ایک صاحب کو ڈانٹنے کا اور ڈانٹ سے کایا پلٹنے کا واقعہ

حضرت شیخ الاسلام علّامہ تقی عثمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ایک بڑے صاحب حیثیت، پڑھے، لکھے، مشہور آدمی والد صاحبؒ سے ملاقات کیلئے آگئے اور بات کرنی شروع کی، ابھی دو تین جملے ہی کہے تھے کہ والد صاحبؒ نے شدید ان کو ڈانٹنا شروع کر دیا، میں بھی حیران ہو گیا کہ آج تک کبھی کسی کو اس طرح نہیں ڈانٹا یہاں تک کہ ان سے یہ کہہ دیا کہ یہاں سے نکل جاؤ، چنانچہ ان کو دفتر سے نکال دیا، آج تک میں نے ایسا منظر نہیں دیکھا تھا، میں نے سوچا کہ یا اللہ! یہ شخص تو کام سے گیا، اس لئے کہ نو تعلیم یافتہ آدمی ہے، کوٹ پتلون پہنے ہوئے ہے، داڑھی بھی برائے نام ہے اور حضرت والد صاحبؒ نے اس کو ڈانٹ دیا، اب ہمیشہ کیلئے یہ شخص متنفر ہو کر جائے گا، اسی آدمی نے بعد میں خود اپنی زبان سے مجھے کہا

کہ مفتی صاحبؒ کی اس دن کی ڈانٹ نے میری زندگی کی کایا پلٹ دی اور میرے اوپر اس ڈانٹ نے ایسا اثر کیا کہ میرا مرکز توجہ ہی بدل گیا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ ہی اپنے نیک بندوں کے دلوں پر یہ القاء فرماتے ہیں کہ کس کے ساتھ، کس وقت، کیا معاملہ کرنا چاہئے؟ کسی اللہ والے کے طرز عمل پر شبہ مت کرو، کہ کسی شخص کو ڈانٹ رہے ہیں، کسی کو پھٹکار رہے ہیں، اور کسی سے محبت سے پیش آرہے ہیں، کیونکہ معطی حقیقی اور مبدأ فیاض تو اللہ تعالیٰ ہیں شیخ تو ایک واسطہ ہوتا ہے، وہی شخص کے دل میں ڈالتے ہیں کہ اس کی اصلاح کا کیا طریقہ مناسب ہوگا؟ ہر ایک کو ایک ہی نسخہ نہیں پلایا جاتا، اس لئے کبھی ان اللہ والوں پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۱۶۰)

حضرت سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع کی جھلک

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جن کے فضل و عمل کا طوطی بول رہا ہے اور ڈنکا بج رہا ہے، وہ خود اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ جب میں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم چھ جلدوں میں مکمل کر لی، تو بار بار دل میں خلش ہوتی تھی کہ جس ذات گرامی کی یہ سیرت لکھی ہے ان کی سیرت کا کوئی عکس یا کوئی جھلک میری زندگی میں بھی آئی یا نہیں؟ اگر نہیں آئی تو کس طرح آئے؟ اس مقصد کیلئے کسی اللہ والے کی تلاش ہوئی اور سن رکھا تھا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ تھانہ بھون کی خانقاہ میں مقیم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا فیض پھیلایا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ تھانہ بھون جانے کا ارادہ کر لیا، سفر کر کے بھون تھانہ پہنچ گئے اور حضرت والا سے اصلاحی تعلق قائم کیا، اور کئی روز وہاں مقیم رہے، جب واپس رخصت ہونے لگے، تو حضرت تھانویؒ سے عرض کیا کہ حضرت کوئی نصیحت فرما دیجئے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت

مجھے خیال آیا کہ میں اتنے بڑے علّامہ کو کیا نصیحت کروں؟ علم وفضل کے اعتبار سے پوری دنیامیں ان کی شہرت ہے، چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ میرے دل میں ایسی بات ڈال دیجئے، جوان کے حق میں بھی فائدہ مند ہواور میرے حق میں بھی فائدہ مند ہو، اس کے بعد حضرت تھانویؒ نے حضرت سید سلیمان ندویؒ سے مخاطب ہوکر فرمایا: ''بھائی ہمارے طریق میں تو اول وآخر اپنے آپ کو مٹادینا ہے''۔

حضرت سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ نے یہ الفاظ کہتے وقت میرا ہاتھ سینے کی طرف لے جاکر نیچے کی طرف ایسا جھکادیا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے دل پر جھٹکا لگ گیا۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: اس واقعہ کے بعد حضرت سید سلیمان ندویؒ نے اپنے آپ کو ایسا مٹایا کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے ، ایک دن دیکھا کہ خانقاہ کے باہر حضرت سلیمان ندویؒ مجلس میں آنے والوں کے جوتے سیدھے کررہے ہیں، یہ تواضع اور فنائیت اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پیدا کردی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد خوشبو پھوٹی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ (روح کی بیماریاں اوران کا علاج، صفحہ ۲۰۰)

متکبر کی نگاہ میں لوگ حقیر اور لوگوں کی نگاہوں میں متکبر حقیر

عربی زبان میں کسی نے بڑی حکیمانہ بات کہی ہے، کہ متکبر کی مثال اس شخص جیسی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو، اب وہ پہاڑ کے اوپر سے نیچے چلنے پھرنے والوں کو چھوٹا سمجھتا ہے، اس لئے کہ اوپر سے اس کو وہ لوگ چھوٹے نظر آرہے ہیں اور لوگ نیچے سے اس کو پہاڑ پر دیکھنے والے ہیں وہ اس کو چھوٹا سمجھتے ہیں، بالکل اسی طرح ساری دنیا متکبر کو حقیر سمجھتی ہے اور وہ دنیا والوں کو حقیر سمجھتا ہے، لیکن جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے آپ کو فنا

کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ چیز ہمارے اندر بھی پیدا فرما دے۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۲۰۲)

”شکر“ بے شمار روحانی بیماریوں کا علاج

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ شکر ایسی چیز ہے کہ یہ بے شمار روحانی بیماریوں کا علاج ہے، جو آدمی شکر کرے گا وہ کبھی تکبر میں مبتلا نہیں ہوگا، ان شاء اللہ اس لئے کہ شکر کے معنیٰ کیا ہیں؟ شکر کے معنیٰ یہ ہیں کہ یہ نعمت جو مجھے ملی میں اس کے لائق نہیں تھا، میں اس کا مستحق تو نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دی ہے، اس کا شکر و احسان ہے۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۲۰۲)

تکبر سے بچنے کا ایک چٹکلہ

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میاں یہ تکبر بڑی خراب چیز ہے، بڑے بڑے معالجوں کو چکر دے دیتی ہے، اس کا علاج کرنا آسان کام نہیں ہے، لیکن میں تمہیں ایک چٹکلہ بتا دیتا ہوں، اس چٹکلے پر عمل کر لو، تو ان شاء اللہ اس تکبر کی بیماری میں مبتلا ہی نہ ہو گے، اور اگر ہو گئے تو ان شاء اللہ تعالیٰ نکل جاؤ گے، وہ چٹکلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو، ہر وقت، ہر لمحے، چلتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کی رٹ لگاؤ، موسم اچھا ہے۔

اللھم لک الحمد و لک الشکر، ھوا چل رھی ھے، اللھم لک الحمد و لک الشکر۔

جو اچھی بات سامنے آئے اس پر اللہ تعالیٰ کی شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو، جتنا شکر ادا

کرو گے، ان شاء اللہ تکبر سے اتنی ہی حفاظت رہے گی، کہنے کو تو یہ تو چھوٹا سا چٹکلہ ہے، لیکن حقیقت میں یہ بڑے کانٹے کی بات ہے، اور عمل کرنا بھی اس پر مشکل نہیں، صرف دھیان کرنے اور مشق کرنے کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۲۳۸)

تھوڑا چل کر دکھاؤ آگے اللہ رہنمائی کریں گے

حضرت حکیم الامتؒ اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ: جیسے ایک بچہ چلنا سیکھتا ہے اور باپ یہ چاہتا ہے کہ میرا بیٹا چلنا سیکھ لے، تو اب باپ ذرا دور کھڑے ہو کر بچے کو بلاتا ہے، کہ بیٹا میرے پاس آؤ، اور جب وہ بیٹا ذرا سا قدم بڑھاتا ہے اور گرنے لگتا ہے تو باپ جلدی اسے گود میں اٹھا لیتا ہے، اسی طرح جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلے گا اور قدم بڑھائے گا اور پھر وہ گرنے لگے تو اللہ تعالیٰ اس کو گرنے نہیں دیں گے، بلکہ آگے بڑھ کر اس کو تھام لیں گے، جب ایک باپ اور ماں اپنی اولاد کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جو رحمٰن اور رحیم اور جو ماں اور باپ کا خالق ہے، جس نے ماں باپ کے دل میں شفقت اور محبت ڈالی ہے، کیا وہ اپنے بندوں کو بے یارو مددگار چھوڑ دے گا؟ بس اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میرا بندہ میرے راستے پر چلا ہے، اس نے تھوڑی سی محنت کی ہے پھر اللہ تعالیٰ خود ہی منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۱۸۹)

ذرا سی توجہ کر کے چلو تو سہی پھر اللہ خود ہی ہاتھ پکڑ کر منزل پر پہنچا دیں گے

کیا اللہ تعالیٰ ہمیں مشقت میں ڈالنا چاہتے ہیں؟ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتے ہیں کہ میرا یہ بندہ ذرا سا میری طرف چلے جب وہ چلے گا، تو ہم خود اس کی رہنمائی کریں گے، جیسا کہ

قرآن کریم میں فرمایا:

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ مع المحسنین۔ (سورۃ العنکبوت، ۶۸)

اور جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کریں گے ہم ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر چلا دیں گے، ذرا سی توجہ کی ضرورت ہے۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۱۸۹)

پھوٹ نکلی تیرے پیراھن سے خوشبو تیری

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہ کی زبان پر اللہ تعالیٰ بڑی عجیب وغریب معارف جاری فرمایا کرتے تھے، ایک دن فرمانے لگے جب پلاؤ پکایا جاتا ہے تو شروع میں ان چاولوں کے اندر جوش پیدا ہوتا ہے، اور ان سے آواز آتی رہتی ہے، اور وہ حرکت کرتے رہتے ہیں، اور ان چاولوں کا جوش مارنا، حرکت کرنا اس بات کی علامت ہے کہ چاول ابھی کچے ہیں، پکے نہیں ہیں، وہ ابھی کھانے کے لائق نہیں، اور نہ ہی ان میں ذائقہ ہے، اور نہ خوشبو، لیکن جب چاول پکنے کے بالکل قریب ہو جاتے ہیں، اس وقت ان کا دم نکالا جاتا ہے، اور دم نکالتے وقت نہ تو ان چاولوں میں جوش ہوتا ہے اور نہ حرکت، اور نہ آواز ہوتی ہے، اس وقت وہ چاول بالکل خاموش پڑے رہتے ہیں، لیکن جیسے ہی ان کا دم نکلا ان چاولوں میں سے خوشبو پھوٹ پڑی اور اب اس میں ذائقہ بھی پیدا ہو گیا، اور کھانے کے قابل ہو گئے۔

صاحبو ملنا تو کہنا میرے یوسف سے
پھوٹ نکلی تیرے پیراھن سے بو تیری

اسی طرح جب تک انسان کے اندر یہ دعوے ہوتے ہیں کہ میں ایسا ہوں، میں بڑا علّامہ ہوں، اس وقت تک اس انسان میں نہ خوشبو ہے اور نہ اس کے اندر ذائقہ، وہ تو کچا چا

ول ہے، اور جس دن اس نے اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے ان دعوؤں کو فنا کر کے یہ کہہ دیا کہ میری تو کوئی حقیقت نہیں، میں کچھ نہیں، اس دن اس کی خوشبو پھوٹ پڑتی ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کا فیض پھیلاتے ہیں۔

ایسے موقع پر ڈاکٹر صاحبؒ کیا خوبصورت شعر پڑھا کرتے تھے ؎

میں عارفی آوارہ صحراء فنا ہوں
ایک عالم بے نام ونشاں میرے لئے ہیں

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے فنائیت کی صحراء میں آوارگی عطا فرمائی اور مجھے فنائیت کا درس عطا فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں بھی عطا فرمادے، آمین۔ (روح کی بیماریاں اوران کا علاج،صفحہ ۱۹۹)

غیبت کا اصل مجرب علاج ''تواضع'' ہے

حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ: غیبت کا علاج بھی تواضع ہی ہے، مگر تواضع ایک دن میں پیدا نہیں ہوتی اس لئے جب تک تواضع حاصل نہ ہو غیبت سے بچنے کیلئے فوری علاج یہ کرو کہ بدون سوچے کوئی بات نہ کیا کرو، جو بات کرو سوچ کر کرو اس سے غیبت کم ہوجائے گی، اور کچھ دنوں کے بعد بالکل نہ ہوگی اور اگر کسی وقت بے سوچے کوئی بات نکل جائے تو اسی وقت دو رکعت نفل ''صلوۃ التوبہ'' کی نیت سے پڑھ لیا کرو۔ (انفاس عیسیٰ صفحہ، ۱۵۲)

اس ملفوظ میں پہلی بات یہ ارشاد فرمائی کہ غیبت انسان سے سرزد ہی نہ ہو، اس کا اصل علاج یہ ہے کہ دل میں تواضع پیدا کرو، ہمیشہ یاد رکھو! غیبت تواضع کے فقدان کی وجہ سے ہوتی ہے، جب آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور تکبر میں مبتلا ہوتا ہے، تب دوسرے کی غیبت کرتا ہے، جس شخص کو اپنے عیوب کا دھیان نہ ہو اس کی اصلاح کی فکر ہو، اس کو دوسروں کے عیوب

بیان کرنے کی کہاں فرصت؟ وہ تو اپنے درد میں مبتلا ہے کہ میرے اندر یہ عیب ہے میرے اندر یہ خرابی ہے، کس طرح ان کو دور کروں، بس اسی ادھیڑ بن میں مبتلا ہے، وہ دوسروں کے عیوب کو کہاں دیکھتا پھرے گا، ہاں اگر دل میں تکبر اور برائی ہے اور دوسروں کی تحقیر ہے اس کو اپنی فکر تو نہیں ہے، اس لئے وہ دوسروں کے عیوب کو دیکھتا پھرتا ہے کہ اس میں فلاں بُرائی ہے، اس میں فلاں برائی ہے، پھر ان برائیوں کو دوسروں کے سامنے بیان کرتا رہتا ہے، لہذا غیبت کی اصل جڑ عجب اور تکبر ہے، جب یہ تکبر اور عجب ختم ہو جائے گا تو پھر غیبت کبھی سرزد نہیں ہوگی، اسلئے غیبت کا اصل علاج تکبر کو ختم کرنا اور تواضع پیدا کرنا ہے۔ (روح کی بیماریاں اوران کا علاج، صفحہ ۱۸۳)

یہ صاحبزادگی کا سور بہت دیر سے نکلتا ہے

حضرت علّامہ تقی عثمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریا صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے، آمین، جب میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی وفات ہوئی تو حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے بہت مفصل خط مجھے اور بھائی صاحب مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کو لکھا، اس خط میں بہت ساری نصیحتیں فرمائیں، لیکن ایک نصیحت یہ فرمائی کہ:

''میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ صاحبزادگی کا سور بہت دیر سے نکلتا ہے''

یعنی کسی بڑے آدمی کے بیٹے ہونے کی وجہ سے دماغ میں ایک خناس پیدا ہو جاتا ہے، اس کو ''سور'' سے تعبیر فرمایا، اس خناس کا مطلب ''تکبر'' ہے اور یہ ''سور'' بہت دیر سے نکلتا ہے، یعنی دوسرے امراض کا علاج تو جلدی ہو جاتا ہے، لیکن اس کا علاج بہت دیر سے ہوتا ہے، بہر حال اس خط کے ذریعہ اس طرف ہمیں توجہ فرمائی کہ اس کی فکر کرنی چاہئے کہ کسی طرح یہ مرض نکل جائے اور پھر فرمایا کہ:

''جب کوئی شخص اپنے آپ کو کسی کے سامنے فناء کر دے اور رگڑے کھائے، جب یہ نکلے، جب تک یہ نہ نکلے اس وقت تک راستہ نہیں کھلتا۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۱۸۶)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل اور اپنی اصلاح کی جستجو

حضرت علّامہ تقی عثمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں: میں نے ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ سے سنا کہ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص مجھ سے یہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے، مجھے معاف کر دو، تو میں اسے کہتا ہوں کہ میں معاف تو ضرور کروں گا لیکن پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ کیا غیبت کی تھی؟ ظاہر ہے کہ صاحب حق کو یہ پوچھنے کا حق ہے، کہ کیا غیبت کی تھی؟ فرماتے تھے کہ اس سوال سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات غیبت سچی ہوتی ہے، اس لئے کہ غیبت کے اندر یہ ضروری نہیں کہ غلط ہی ہو، تو اس کے بتانے سے اپنی غلطی کا پتہ لگ جاتا ہے۔

تجھے خلق خدا غائبانہ کیا کہتی ہے وہ دیکھ

دوسرے اس کے ذریعہ یہ پتہ چ جاتا ہے کہ تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا غیر جانب دارانہ تبصرہ کیا ہے۔

کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا

کیونکہ جو لوگ تمہارے اردگرد رہتے ہیں، وہ تو تمہاری تعریف ہی کریں گے، تمہیں اچھا ہی کہیں گے، لیکن پیٹھ پیچھے تمہیں لوگ کیا کہتے ہیں؟ اور تمہارے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں؟ کیا تصور رکھتے ہیں؟ اس کا علم ہو جانا بھی مفید ہوتا ہے، کیونکہ اگر سب لوگ تمہاری تعریف کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں بعض اوقات آدمی کے دل میں عجب پیدا ہو جاتا ہے اور یہ سوچتا

ہے کہ یہ ساری مخلوق جو میری تعریف کر رہی ہے تو ضرور میرے اندر کمال ہے، جس کی وجہ سے یہ ساری مخلوق میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے، اس طرح دل میں عجب پیدا ہو جاتا ہے۔

اس عجب کا علاج یہ ہے کہ تم یہ دیکھو کہ جو لوگ تمہارے پیچھے رہنے والے ہیں وہ تمہیں کیا کہتے ہیں؟ اور تمہارے بارے میں ان کی کیا رائے ہے؟ اس کے ذریعہ انسان کے عجب کا علاج ہوتا ہے، اس لئے حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ جب میرے پاس کوئی معافی مانگنے آتا تو میں اس سے کہتا کہ میں معاف تو کروں گا، لیکن پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ کیا غیبت کی تھی؟ جب بتاؤ گے تو میں معاف کر دوں گا۔

جنت اس قدر سستی نہیں

حضرت علّامہ تقی عثمانی مدظلہ العالی صاحب فرماتے ہیں: سوال یہ ہے کہ کس کس سے معافی مانگے؟ پہلے تو دھیان اور فکر نہیں تھی، نہ جانے کس کس کی غیبت ہوگئی، تو کیا ان آدمیوں کے پہلے فہرست بنائے، اور پھر ان سے معافی مانگے؟ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی اگر جنت لینی تو جنت اس قدر سستی نہیں ہے، یہ کام تو کرنا پڑے گا، لہٰذا جو اپنے متعلقین ہیں، اپنے دوست احباب ہیں، ملنے جلنے والے ہیں، عزیز رشتہ دار ہیں، ان کی ایک فہرست بناؤ اور پھر جا کر ان سے معافی مانگو۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، صفحہ ۱۶۹، علامہ تقی عثمانی)

روح کی صورت

سیر الاولیاء میں ایک جگہ حضرت محمد ابن مبارک کرمانی خورد رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: جناب شیخ المشائخ فرماتے تھے کہ روح کی کوئی خاص صورت اور ہیئت نہیں ہے، لیکن جب حق تعالیٰ اپنے بندہ کو دکھانا چاہتا ہے اور اسے مکاشف روح بنانا چاہتا ہے تو کسی نہ کسی صورت میں اس پر ظاہر کر دیتا ہے اور وہ کسی صورت میں اس پر ظاہر ہو جاتی ہے۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک دانشمند کا قول ہے کہ ابتداء میں تمام روحیں ایک ہی روح تھی، بعد کو اجسام واشخاص کے مطابق متعدد ہو گئیں۔

نفس

نفس کی یہی کیفیت ہے کہ اس کی بھی خاص صورت نہیں، مگر کبھی کبھی کوئی صورت اختیار کر کے آدمی کی نظروں میں آجاتا ہے، چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے اپنی ہیئت وصورت پر اپنے گھر میں مصلے پر ایک شخص کو بیٹھے دیکھا بہت متعجب ہوا کہ یہ کون ہے؟ جواب دیا کہ میں تیرا نفس ہوں، اس شخص نے کہا یہاں کیوں آیا اور کیا کر رہا ہے؟ کہ مجھے تیری طرف سے سخت تکلیف پہنچی ہے، اس شخص نے کہا کہ میں تیرے مارنے کی فکر میں ہوں اور ابھی تجھے جان سے مارتا ہوں، اس نے کہا میرا اس طرح مارنا تجھے کچھ فائدہ نہ دے گا، میرا مارنا تو بس یہی ہے کہ تو میرا مخالف رہ اور جو میں کہوں ہمیشہ اس کے برعکس کر یہ کہا اور ناپید ہو گیا۔ (سیر الاولیاء، صفحہ ۵۷۷)

نفس کی تین قسمیں

محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے، لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں، اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہوا اور اللہ کی عبادت وفرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا اس نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں، یا ایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ، (الفجر)

اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات وخواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف

رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا، اس کو نفس امّارہ کہتے ہیں، کیونکہ وہ آدمی کو بُرائی کا حکم کرتا ہے، وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ البسوء الا مارحم ربی، (سورہ یوسف، رکوع، ۷)

اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت وغضب میں مبتلا ہوتا ہے، اور کبھی عالم علوی کے طرف مائل ہوکر ان چیزوں کو بُرا جانتا ہے اور ان سے دوور بھاگتا ہے، اور کوئی برائی یا کوتاہی ہوجانے پر شرمندہ ہوکر اپنے تیئں ملامت کرتا ہے، اس کو نفس لوامہ کہتے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں آدمی کا جی اول کھیل اور مزوں میں غرق ہوتا ہے ہرگز نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتا، ایسے نفس کو لوامہ کہتے ہیں، پھر ہوش پکڑا نیک وبد سمجھا تو باز آیا کبھی (غفلت ہوئی تو) اپنے خو پر دوڑ پڑا پیچھے کچھ سمجھ آئی تو اپنے کئے پر پچھتانے اور ملامت کرنے لگا، ایسا نفس (جی) ''لوامہ'' کہلاتا ہے، پھر جب پورا سنور گیا دل سے رغبت نیکی ہی پر ہوگئی بیہودہ کام سے خودبخود بھاگنے لگا اور بدی کے ارتکاب بلکہ تصور سے تکلیف پہنچنے لگی، وہ نفس ''مطمئنہ'' ہوگیا، اھ بتغیر یسیر۔ یہاں نفس لوّامہ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا: کہ اگر فطرت صحیح ہو تو خود انسان کا نفس دنیا ہی میں بُرائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے یہی چیز ہے جو اپنی اعلیٰ واکمل ترین صورت میں قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔ (حاشیہ تفسیر علامہ شبیر عثمانیؒ سورۃ قیامہ)

انسان مکلف کیوں بنایا گیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے صرف انسان کو مکلف کیوں بنایا ہے؟ دیگر مخلوقات مکلف کیوں نہیں بنائی گئیں؟ انسان کی تکلیف کا راز، علت اور وجہ کیا ہے؟ یہ سوال بہت سے لوگوں کے ذہن میں انگڑائی لیتا ہے، اس باب میں اسی کا بیان ہے۔

مکلف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احکامات دیئے ہیں اور ان کی تعمیل

یا عدم تعمیل پر جزا وسزا رکھی ہے، ورنہ صرف احکام تو تمام مخلوقات کو دئے ہیں، اور ہر مخلوق تعمیل حکم میں لگی ہوئی ہے، سورج کو طلوع وغروب ہونے کا حکم ملا ہے، ہواؤں کو چلنے کا، بادلوں کو برسنے کا، چڑیوں کو چہچہانے کا کام سونپا گیا ہے، وقس علیٰ ہذا اور کسی مخلوق میں حکم خداوندی کی خلاف ورزی کی طاقت نہیں، مگر ان کے تعمیل حکم پر کوئی ثواب نہیں رکھا گیا، اس کے برخلاف انسان کی صورت حال یہ ہے کہ وہ مأمور بھی ہے اور حکم کی تعمیل یا عدم تعمیل کا اختیار بھی رکھتا ہے اور اس کیلئے جزا وسزا بھی مقرر کی گئی ہے، اسی کا نام تکلیف شرعی ہے۔

شاہ صاحبؒ پہلے یہ مسئلہ دلیل نقلی سے سمجھاتے ہیں، پھر دلیل عقلی بیان کریں گے، سورۃ الاحزاب کی بالکل آخری آیات (۷۲، ۷۳) میں ہے کہ: **انا عرضنا الامانۃ الی قولہ تعالیٰ وکان اللہ غفورا رحیما**، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام مخلواقات کے سامنے امانت پیش فرمائی، امانت کے معنیٰ ہیں ذمہ داری جیسے مدرس وملازم کی ایک ذمہ داری ہوتی ہے، جس کے پاس کوئی چیز برائے حفاظت رکھی جاتی ہے اس کی ایک ذمہ داری ہوتی ہے، ملک کے سربراہ کی ایک ذمہ داری ہے، اسی طرح تکلیف بھی ایک ذمہ داری ہے، جو احکام بجالاتا ہے وہ ذمہ داری پوری کرتا ہے اور جو تعمیل حکم نہیں کرتا وہ ذمہ داری میں خلل ڈالتا ہے۔

یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے سامنے پیش کی ہے، مگر آیت میں بڑی بڑی تین مخلوقات کا تذکرہ کیا گیا ہے، یعنی آسمان وزمین اور پہاڑوں کا، کیونکہ جب آدمی سر اوپر اٹھاتا ہے تو آسمان نظر آتا ہے، ذرا جھکاتا ہے تو پہاڑ سامنے ہوتے ہیں، اور بالکل نگاہ نیچے کر لیتا ہے، زمین کو دیکھتا ہے، اس لئے انہیں تین مخلوقات کا تذکرہ فرمایا ہے، ورنہ ذمہ داری تمام مخلوقات کے سامنے پیش کی گئی تھی، کیونکہ جب وہ بڑی مخلوقات کے سامنے پیش کی گئی تو چھوٹی مخلوقات کے سامنے بدرجہ اولیٰ پیش کی گئی ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہر مخلوق کو دیا گیا تھا، اور صرف فرشتوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اس وقت میں وہی سب سے اشرف مخلوق تھے اور جب اشرف مخلوق تھے اور جب اشرف مخلوق مامور ہوئی تو دیگر مخلوقات بدرجہ اولیٰ مامور ہونگی، جب کسی کی تعظیم کا حکم وزیر کو دیا جاتا ہے، تو خود بخود یہ حکم درباریوں کیلئے بلکہ پورے ملک کے باشندوں کیلئے ہوجاتا ہے، اور اس کی دلیل شیطان کا اباء اور اس کا مردود ہونا ہے، یہ بات اسی وقت معقول ہوسکتی ہے، جب کہ وہ بھی سجدے کا مأمور ہو، (جیسا کہ سورہ کہف میں آیا ہے) حالانکہ مأمورین میں صراحتاً جنات کا ذکر نہیں ہے، غرض جس طرح تمام مخلوقات سجدہ کرنے کی مأمور تھیں، بار امانت بھی تمام مخلوقات کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔

تمام مخلوقات نے بار امانت اٹھانے سے انکار کردیا، وہ بار امانت دیکھ کر گھبرا گئے، یہ پیش کش اور انکار فطری تھا، حسی اور قولی نہیں تھا، یعنی جس طرح جانور کے سامنے گھاس چارا پیش کرتے ہیں اس قبیل سے نہیں تھا، اور نہ مخلوقات نے زبان سے انکار کیا تھا۔ (سورۃ الحج، آیت ۱۸ میں صراحت ہے کہ انسان کے علاوہ دیگر تمام مخلوقات اللہ کے سامنے منقاد ہیں، بلکہ پیش کرنے کا مطلب ان مخلوقات کی صلاحیتوں کے ساتھ موازنہ (Comparison) کرنا ہے یعنی ان کی صلاحیتوں کے ساتھ برابر کرکے دیکھنا ہے، جیسے مشین کا اسکرو (Screw) ٹوٹ جاتا ہے تو دوکان پر لے جاتے ہیں، دوکاندار دوسرے اسکروں سے موازنہ کرکے دیکھتا ہے، کوئی چھوٹا ہوتا ہے کوئی بڑا، اور کوئی بالکل برابر، دوکاندار وہ گاہک کو دیدیتا ہے، اسی طرح مخلوقات کی صلاحیتوں سے امانت کا موازنہ کرکے دیکھا گیا تو مطابقت نظر نہ آئی، یہی عدم مطابقت ان کا انکار ہے اور سہم جانے کا مطلب یہ ہے کہ قطعاً مطابقت نہیں پائی گئی، ان میں بالکل ہی صلاحیت نظر نہ آئی مخلوق کی استعدادوں میں اور امانت میں کوئی جوڑ ہی نظر نہ آئے۔

اور جب امانت کا انسان کی صلاحیت اور استعداد کے ساتھ موازنہ کیا گیا تو پوری پوری مطابقت نظر آئی، یہی مطلب ہے انسان کے امانت کو اٹھانے کا، اور انسان میں وافر صلاحیت کے موجود ہونے کی دلیل اس کا ظلوم وجہول ہونا ہے، ظلوم وجہول مبالغہ کے صیغے ہیں اور ظالم وجاہل وہ ہوتا ہے جس میں جاننے اور انصاف کرنے کی صلاحیت ہو، مگر نہ جانے یا انصاف نہ کرے چنانچہ دیوار، اینٹ، پتھر کو ہم نہ ظالم کہہ سکتے ہیں نہ جاہل، کیونکہ ان میں انصاف کرنے کی اور جاننے کی صلاحیت نہیں، اور انسان نہ صرف یہ کہ عالم و عادل ہوسکتا ہے، بلکہ وہ علیم و عدول بھی ہوسکتا ہے، اسی طرح وہ نہ صرف ظالم و جاہل ہوسکتا ہے بلکہ ظلوم وجہول بھی ہوسکتا ہے۔

غرض انسان میں دونوں طرح کی وافر صلاحیتیں موجود ہیں اور انسان کے علاوہ فرشتے ہیں ان میں صرف یک طرفہ صلاحیت ہے، وہ ظلوم وجہول نہیں ہو سکتے، اور بہائم میں عالم و عادل ہونے کی صلاحیت نہیں۔

یہاں سے یہ سوال بھی حل ہو گیا کہ انسان نے کام وہ کیا جو کوئی نہیں کر سکا اور صلہ یہ ملا کہ وہ ظلوم وجہول ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ ظلوم وجہول صرف صفات ذم نہیں، ان میں صفات مداح بھی مضمر ہیں، یعنی اگر وہ چاہیں تو علیم و عدول بھی ہوسکتا ہے، اس میں اس کی بھی وافر صلاحیت موجود ہے، اور نہ چاہے تو علوم وجہول ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ انسان نے جو یہ بار امانت اٹھایا ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مشرک مرد وزن اور منافق مرد وزن سزا پائیں گے، اور اہل ایمان منظور نظر بنیں گے، اور ان کی معمولی کوتاہیوں سے درگزر کیا جائے گا، **لیعذب**، میں لام، لام عاقبت ہے یعنی

انجام یہ ہوگا جیسے سورۃ القصص آیت نمبر ۸ میں لام عاقبت ہے کہ فرعون کے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا، تا کہ وہ ان لوگوں کیلئے دشمن اور غم کا باعث بنیں، یعنی ان لوگوں نے اس غرض کیلئے نہیں اٹھایا تھا بلکہ اٹھانے کا نتیجہ یہ نکلے گا۔

یہ لام، لام علت نہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ثواب وعقاب کی غرض سے انسان کو پیدا نہیں کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، ان کے کاموں میں حکمت تو ضرور ملحوظ ہوتی ہے مگر ان کے کام معلل بالاغراض نہیں ہوتے یعنی وہ کوئی بھی کام کسی غرض سے نہیں کرتے، کیونکہ کسی غرض کیلئے کام کرنا خودغرضی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہیں۔

یہاں سے یہ سوال بھی حل ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ثواب وعقاب کیلئے انسانوں کو بار امانت اٹھوایا ہے، تو منشأ خداوندی ضرور پورا ہوگا، پھر بیچارے انسان کا کیا قصور؟ جواب یہ ہے کہ یہ سوال لام علت ہونے کی صورت میں متوجہ ہوگا، لام عاقبت ہونے کی صورت میں سرے سے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوگا۔

اور لام عاقبت کی مثال یہ ہے کہ دنیا کے تمام تعلیمی ادارے اعلیٰ تعلیم دینے کیلئے قائم کئے جاتے ہیں، طلبہ کو فیل کرنے کیلئے کوئی ادارہ قائم نہیں کیا جاتا، مگر نتیجہ بہر حال دونوں طرح کا سامنے آتا ہے، بدشوق طلبہ فیل ہو جاتے ہیں، مگر ادارہ ان کو فیل کرنے کیلئے قائم نہیں کیا گیا، اسی طرح سورۃ الملک آیت نمبر ۲ میں اور سورۃ الکہف آیت نمبر ۷ میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کارخانۂ حیات ان لوگوں کو الگ کرنے کیلئے قائم کیا ہے، جو بہترین کام کرتے ہیں گو نتیجہ یہ نکلے گا کہ کچھ لوگوں سے جہنم بھر دی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں:

(۱) امانت سے مراد تکلیف کی ذمہ داری سنبھالنا۔ تکلیف کا پٹہ گلے میں ڈالنا اور ثواب وعقاب کے خطرہ کے درپے ہونا ہے۔

(۲) اور عرض (پیش کرنے) سے مراد مخلوقات کی استعدادوں سے موازنہ کرنا ہے۔

(۳) اور اباء (انکار کرنے) سے مراد لیاقت واستعداد کا فقدان ہے۔

(۴) اور حمل (اٹھانے) سے مراد انسان میں لیاقت کا ہونا ہے۔

(۵) اور ظلوم وجھول ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان میں مکلف ہونے کی وافر صلاحیت موجود ہے۔

(۶) اور لیعذب، میں لام، لام عاقبت ہے، لام علت وغایت نہیں۔

اور سب باتوں کا نچوڑ یہ ہے کہ مکلف ہونے کی صلاحیت صرف انسان میں ہے، اسلئے اسی کو مکلف بنایا گیا ہے، اور دیگر مخلوقات کو مکلف اس لئے نہیں بنایا گیا کہ ان میں تکلیف کی سرے سے صلاحیت ہی نہیں اور انسان بھی اس وقت مکلف ہوتا ہے جب کہ اس میں کامل صلاحیت پائی جائے، بچہ بلوغ سے پہلے مکلف نہیں ہوتا کیونکہ صلاحیت کامل نہیں ہوتی اسی طرح مجنون جس کی بے ہوشی طویل ہو جائے: مکلف نہیں رہتا کیونکہ ان دونوں حالتوں میں صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ، شرح حجۃ اللہ البالغہ، ۴۸، ۴۷، ۴۴، ۴۳، ۳۹، ۳۷، ۳۶، ۲۳۵)

نفس کی خواہشوں کا ختم کرنا مقصود نہیں بلکہ ان کو مغلوب اور کمزور کرنا مقصود ہے

اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں ایک بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ سب لوگ خواہشات نفسانی کا سرے سے ختم ہو جانا ہے، اور جڑ سے صاف ہو جانا سمجھتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، حضرت مخدوم شرف الدین یحیٰ منیریؒ فرماتے ہیں، ازالہ شہوات مقصود نہیں شکستگی مقصود ہے، حضرت

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ جو تاریخ دعوت عزیمت کے مصنفؒ ہیں، تحریر فرماتے ہیں: امام غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم میں ثابت کیا ہے کہ اصلاح وتربیت کا مقصود غصہ وغیرہ کا، جڑ سے نکل جانا اور اس کی صلاحیت کا مفقود ہوجانا نہیں، بلکہ اس پر قابو پانے کی صلاحیت اور اس کو مغلوب کرنے کی قوت ہے، اس لئے قرآن مجید میں تعریف کے موقع پر، **والفاقدین الغیظ** نہیں کہا **والکاظمین الغیظ**، فرمایا: اگر سرے سے غصہ ہی نہ آتا تو غصہ کو پی جانے اور اس کو دبانے کا سوال کہاں پیدا ہوسکتا ہے؟ شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ بڑی تفصیل سے لکھتے ہیں یہ اس شخص کی جہالت وحماقت ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ خواہش نفس اور صفات بشریت سے مطلقاً پاک ہونا چاہئے، اس نے غور نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بشر ہوں، کسی وقت مجھے غصہ آجاتا ہے اور غصہ کا اثر بھی اکثر آپ پر ظاہر ہوجاتا تھا، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **والکاظمین الغیظ**، اللہ ان کی تعریف کرتا ہے کہ وہ غصہ کو دباتے ہیں، اس کی تعریف نہیں کہ غصہ کا مادہ ہی نہیں اور کس طرح شریعت خواہش نفس کے بالکل ازالہ کا مطالبہ کرسکتی ہے، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں، اگر کسی کی خواہش بالکل زائل ہوگئی ہو تو اس کا علاج کرنا چاہئے کہ پھر پیدا ہوجائے، اسلئے کہ گھر والوں اور اولاد پر شفقت جہاد میں کافروں پر غصہ، اور اولاد کا سلسلہ اور نیک نام کا بقاء یہ سب چیزیں نفس کے احساسات اور خواہشات سے تعلق رکھتی ہیں، پیغمبروں نے اس کی تمنّا کی ہے کہ اس کا سلسلہ نسبی چلے، لیکن شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ خواہشات کو مغلوب رکھا جائے، اور احکام شریعت کے ماتحت، جس طرح گھوڑا سائس اور کتّا شکاری کے قبضہ میں ہوتا ہے کتّا بھی ایسا چاہئے جس کی تربیت ہوچکی ہو ورنہ شکاری ہی پر حملہ آور ہوجائے گا، شکار کیلئے گھوڑے کی بھی ضرورت لیکن ایسا گھوڑا درکار ہے جو رام کرلیا گیا ہو، ورنہ اپنے سوار کو گرادے گا۔

اسی طرح شہوت اور غصہ کتّے اور گھوڑے کی طرح ہیں، آخرت کی سعادت کو ان دونوں کے بغیر شکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن شرط یہ ہے کہ ماتحت اور قابو کے ہوں، اگر غالب ہوں گے تو ہلاکت کا سبب بن جائیں گے، پس ریاضت اور مجاہدہ کا مقصود یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں شکشتہ اور مغلوب ہو جائیں اور یہ ممکن ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت جلد، ۳ صفحہ ۲۹۱،)

نفس کی اصلاح کا معیار کیا ہے؟

نفس کی اصلاح اور اس کی پاکی کا معیار حضرات مشائخ کے یہاں بہت بلند ہے، حقیقتاً اس بات کا اطمینان بہت مشکل ہے کہ نفس دعوئ خدائی سے دست بردار اور خواہشات وشہوات کی گرفتاری سے آزاد ہو گیا ہے، اور تربیت واصلاح کے اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ اب اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ بیان فرماتے ہیں: حضرت شیخ شرف الدینؒ کے نزدیک اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش سے قدم نہ اٹھائے، شریعت کے حکم پر چلے، اور احکام شریعت میں رخصت وتاویل سے کام نہ لے، اگر نفس پر کسی خاص نفسانی خواہش اور طبیعت کا غلبہ ہے تو حقیقتاً وہ اس جانور کا مشابہ ہے جو اس خواہش کا سب سے بڑا نمائندہ اور مظہر ہے۔

حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

میرے بھائی آدمی کا نفس مکار دھوکہ دینے والا ہے، وہ ہمیشہ جھوٹے دعوے اور لاف زنی کرتا ہے کہ خواہش نفس میری محکوم ہو گئی ہے، اس سے اس بات کا ثبوت مانگنا چاہئے اور اس کا ثبوت صرف یہ ہے کہ وہ اپنے حکم سے ایک قدم نہ اٹھائے، شریعت کے حکم سے چلے، اگر ہمیشہ وہ شریعت کی اطاعت میں سرگرمی دکھاتا ہے تو صحیح کہتا ہے، اگر احکام شریعت

میں اپنی ہوا و خواہش کے موافق رخصت و تاویل چاہتا ہے تو وہ بے اقبال ابھی تک اسیر کمند ہوا ہے، اگر غصہ کا غلام ہے تو وہ ایک کتّا ہے، آدمی کی شکل میں، اگر پیٹ کا غلام ہے تو ایک جانور ہے اور اگر وہ فاسد خواہشات نفس کا اسیر ہے تو وہ ایک سور، خنزیر ہے، اور اگر وہ لباس و زینت کا غلام ہے تو وہ عورت ہے، مرد کی صورت میں، لیکن جو شخص اپنے کو احکام شریعت کے مطابق آراستہ کرتا ہے اور نفس کا امتحان لیتا رہتا ہے اور اس نے اپنی باگ شریعت کے ہاتھ دے دی ہے جس طرف وہ پھیرتی ہے، اسی طرف وہ پھر جاتا ہے اس وقت اس کو کہا جاسکتا ہے کہ اس کی صفات اس کی محکوم اور زیر فرماں ہوگئی ہیں، پس جن لوگوں کو اللہ نے بصیرت دی تھی اور جو حقائق پر نظر رکھتے تھے وہ دم واپسیں تک اپنے نفس کو تقویٰ اور خوف الٰہی کی لگام دئے رہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت جلد، ۳ صفحہ ۲۹۷،)

نفس کی اصلاح کا ایک بہترین اور آسان طریقہ خدمت کے ذریعہ دلوں کو راحت پہنچانا بھی ہے

مشہور ہے کہ خدمت سے خدا ملتا ہے، اور من خَدِمَ خُدِمَ، جو خادم بنتا ہے وہی مخدوم بھی بنتا ہے اسی لئے مشائخ کے یہاں خدمت کی عادت و تربیت دی جاتی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی ہے کہ، لوگوں میں سب سے افضل اللہ کے یہاں وہ شخص ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچاتا ہے۔

مذکورہ باتوں کا راز یہ ہے کہ خدمت خلق سے تواضع و فروتنی پیدا ہوتی ہے، نفس مضمحل ہوتا ہے اور اس کی دن بدن صفائی ہوتی چلی جاتی ہے، اور ظاہر ہے جس کو تزکیۂ نفس حاصل ہو جائے گا وہ خدا کا محبوب اور بندوں کی نگاہوں میں ہر دلعزیز ہوگا، اور قرآن کی زبان میں وہ

دونوں جہاں میں کامیاب کہلائے گا، الغرض اصلاح نفس کیلئے ایک اہم راستہ خدمت بھی ہے، چنانچہ مخدوم شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سالک کیلئے ایک اونچا کام خدمت ہے، خدمت میں وہ فوائد اور خاصیتیں ہیں جو کسی دوسری عبادت وطاعت میں نہیں، ایک یہ ہے کہ نفس مردہ ہوتا ہے، اور بڑائی وسرداری کبر ونخوت نکال دیتی ہے اور تواضع وعجز پیدا ہوتا ہے، خدمت اس کو مہذب اور مؤدب بنادیتی ہے، اخلاق کو آراستہ کرتی ہے اور سنت وطریقت کے علوم سکھاتی ہے، نفس کی ظلمت اور گرانی دور کرتی ہے، انسان کو لطیف اور سبک روح بناتی ہے، اور اس کا ظاہر وباطن روشن ہو جاتا ہے، یہ سب فوائد خدمت کے ساتھ مخصوص ہیں، ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا خدا تک پہنچنے کے کتنے راستے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ موجودات اور دنیا میں جتنے ذرات ہیں اتنی ہی خدا تک پہنچنے کی راہیں ہیں۔

لیکن کوئی راستہ دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ بہتر اور نزدیک تر نہیں، اور ہم نے اسی راہ سے خدا کو پایا ہے، اور اپنے تعلق والوں کو اسی کی وصیت کی ہے، بزرگوں نے کہا ہے کہ اس گروہ کے اوراد وطاعات بیان سے باہر ہیں، وہ جب ان سب سے فارغ ہوتے ہیں تو پھر کوئی ورد وطاعت ایک دوسرے کو خدمت کرنے سے زیادہ افضل اور مفید نہیں۔ (تاریخ دعوت وعزیمت جلد، ۳ صفحہ ۲۹۴،)

نفس کی اصلاح غوث پاک حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات کی روشنی میں

میں نے سوچا کہ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ چونکہ تمام قطبوں کے قطب اور تمام اولیاء

وابدال کے امام ہیں ،اس لئے اخیر میں نفس کی اصلاح کیلئے ان کی بھی بعض ہدایات سے استفادہ کیا جائے ،اللہ تعالیٰ سالک حق کو ان کی ہدایات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے ،آمین۔

غنیۃ الطالبین مترجم صفحہ نمبر ۷۸ پر مذکور حضرت غوث پاک کا ارشاد ہے کہ مجاہدہ کے اصل کے معنیٰ اپنے نفس کی مخالفت کرنا ہے،یعنی جن چیزوں سے نفس کو محبت ہو ان کو اپنے نفس سے علیحدہ کرنا اور جن آرزؤں اور دنیاوی لذات کے ساتھ رغبت ہو اس کے برخلاف کرنا ،اور جب نفس کا خیال شہوت کی طرف جائے اس کو فوراً اس طرف روک لے اور اللہ تعالیٰ کے خوف کے طرف لگائے ،اور اگر نفس منہ زوری کرے تو اس کو مقام عبادات کی طرف سخت چابک سے ہانک دے،اور ہواوہوس وحظوظ نفسانی کے طرف سے اس کا منہ پھیر دے،آگے حضرت رحمۃ اللہ علیہ صفحہ نمبر ۱۸۷ پر ارشاد فرماتے ہیں:

مگر نفس کا یہ مجاہدہ بغیر چار چیزوں کے تمام نہیں ہوتا،(اول) اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ، (دوم) دشمن خدا ابلیس کو خوب سمجھ لے،(سوم) یہ سمجھے کہ ہمارا نفس اکثر میری کاموں کی طرف رغبت دلائے گا،(چہارم) یہ جان لے کہ عمل خاص اللہ تعالیٰ ہی کیلئے کرتا ہوں۔

آگے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص بغیر مذکورہ چاروں چیزوں کے سمجھے ہوئے عبادت کرے تو وہ اگر تمام عمر بھی عبادت کی کوشش کرتا رہے تو اس کی عبادت نفع مند نہ ہوگی،اور وہ جاہل ہی رہے گا،اور اس کی بازگشت دوزخ کی آگ کی طرف ہوگی،مگر۔

فضل الٰہی چو کند کار خویش

مژدہ رحمت برساند سروش

صفحہ نمبر ۷۸۸ پر آپ فرماتے ہیں: برادران اسلام: یہ یاد رکھو کہ! مخلوق خدا میں ابلیس لعین سے زیادہ اور کوئی تمہارا دشمن نہیں ہے، اس سے بچو! اگر اس دشمن کے قبضہ میں کوئی گرفتار ہوا تو بس اس ہلاکت سے خداوند تعالیٰ ہی اس کو بچا سکتا ہے، جو اپنے رحم وکرم سے دستگیری فرمائے، اس دشمن کے مکر وفریب کا جال پڑا ہے، دعا مانگو کہ یا اللہ مجھے پناہ میں رکھ! اور ہر مسلمان کو اس شیطان الرجیم کی بدی اور اس کے لشکر سے اپنی مدد سے محفوظ رکھ، اس سرکش کی یہ پہچان ہے کہ یہ زیادہ تر انسان کو برائی کی طرف توجہ دلاتا ہے، اس کی طرف ہرگز مائل نہ ہونا چاہیئے بلکہ اس کو اسی مقام پر رہنے دیں، جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کی جگہ مقرر فرمائی ہے، (یعنی اس کو دشمن بنا کر رکھو) آگے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہدایت فرماتے ہیں کہ اسی طرح نفس پر قابو رکھو! کیونکہ یہ شیطان لعین سے بھی بندے کا زیادہ دشمن ہے، کیونکہ شیطان کا بغیر نفس کے بندے پر قابو پانا مشکل ہے، پہلے وہ نفس کو گونا گوں خواہشات کی طرف رغبت دلاتا ہے۔

اور پھر یہ دونوں خونخوار درندے یعنی نفس اور شیطان بیچارے بندے کو اپنے دام فریب میں پھنساتے ہیں، اسلیئے سب سے اول انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی نفسانی خواہش کی طرف غور کرے کہ یہ خواہش کیسی ہے اور اس کی پیدائش کس طرح ہوئی ہے۔

صفحہ نمبر ۷۸۸ پر حضرت غوث پاکؒ ارشاد فرماتے ہیں:

اہل مجاہدہ ومحاسبہ اور اہل ارادت کی دس خصلتیں ہیں جن کی اپنے نفس کیلیئے انہوں نے آزمائش کی ہے، اگر ان کا قدم راہ حق میں ثابت قدم رہا تو انہوں نے اپنے ارادت کا مقام حاصل کرلیا، اور بزرگی کے مقام کو پہنچ گئے اول خصلت یہ ہے کہ اللہ کی قسم جھوٹی یا سچی نہ کھائی جائے، دانستہ یا نادانستہ اس امر کا مرتکب نہ ہو، اور اگر وہ اس پر عامل رہا تو اس کے واسطے بارگاہ حقیقی سے ایک نور کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور اس کا اس کے دل میں مشاہدہ ہوتا

ہے، اور پھر یہ فائدہ اس کے بدن میں ترقی کرتا ہے اور اس کا درجہ بلند ہوجاتا ہے، اور ہمسایوں کی نظر میں بزرگ سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ ہر شخص اس کا تابع فرمان ہوجاتا ہے، ہر شخص دیکھنے پہچاننے والا اس سے ڈرتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ سعی اور کوشش سے جھوٹ بولنے کی عادت ترک کردے۔

دوسرے: اس لئے کہ جب وہ ان برائیوں سے اپنے آپ کو بچانے کا اور صحیح بولنے کا عادی ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا سینہ کشادہ کردے گا، اور اس کی عقل جلائے گی اور وہ یہ سمجھ لے کہ گو وہ جھوٹ بولنا جانتا ہی نہیں، اور جس کو وہ جھوٹ بولتے سنے اس کو روک دے بلکہ جھوٹ بولنے والے سے اپنا ملنا عار سمجھے، اس کے حق میں دعا مانگے کہ یا اللہ! اس کو دروغ گوئی سے بچا تا کہ اس کو ثواب حاصل ہو۔

تیسرے: یہ کہ اگر کسی سے وعدہ کرے تو پھر ایفاء وعدہ کرے وعدہ کے ایفاء سے خوف کرے اگر مجبوراً کوئی وجہ پیدا ہوجائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں، مگر باوجود قادر ہونے کے وعدہ سے منحرف نہ ہو ایسا کرنے والا راست قدم اور مضبوط قصد کا مالک ہوتا ہے اور یہی راہ راست ہے، وعدہ خلافی دروغ گوئی ہے۔

جو شخص وعدہ وفا کرنے والا ہوگا اس کے واسطے سخاوت وحیا کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، احباب اور دوستوں کے دل میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے، اور بارگاہ الٰہی میں وہ بلند مرتبہ ہوتا ہے، چوتھی خصلت یہ ہے کہ مخلوق خدا میں سے کسی کو برا نہ کہے اور نہ کسی جان کو حتی کہ چیونٹی تک کو ایذاء نہ پہنچائے، یہ عمل نیک و راست لوگوں کا ہے، جو شخص ایسا ہو وہ اللہ کی نگہبانی میں ہوتا ہے، اور اس کی عاقبت بخیر ہوتی ہے، جو شخص اپنی ایسی نیکیوں کا ذخیرہ جمع کرتا

ہے اللہ تعالیٰ اس کو مہلک جگہوں سے نجات دیتا ہے، اور آزار خلق سے اس کو محفوظ رکھتا ہے، بندوں کو اس کے حال پر مہربان کرتا ہے، اور اپنی عطا فرماتا ہے۔

پانچویں: خصلت یہ ہے کہ خلق اللہ میں سے کسی کے حق میں بددعا نہ کرے اگر کوئی ظالم ہو جس نے اس پر ظلم بھی کیا ہو پھر بھی اس کے حق میں اپنی زبان سے بددعا نہ نکالے، اور نہ ہی اپنے کردار اسے کا بدلہ لے بلکہ اس کا محاسبہ اپنے پروردگار کے سپرد کر دے، اپنے قول وفعل سے ہرگز اس کی مدافعت نہ کرے، یہ خصلتیں اس بندے کے درجہ کو بلند کرتی ہیں اگر کسی نے یہ خصلتیں حاصل کر لیں تو ان کے عوض اس کو دنیا وآخرت میں بلند درجہ حاصل ہوتے ہیں ، اور ہر شخص خواہ نزدیک یا دور ہو اس کے دل میں اس کی محبت بڑھ جاتی ہے اور اس کی دعا قبولیت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے، اور دنیا کے مسلمان کے دلوں میں اس کی عزت ومرتبہ بڑھ جاتا ہے۔

چھٹی خصلت یہ ہے کہ کسی اہل قبلہ کے حق میں شرک وکفر ونفاق کے متعلق گواہی نہ دے یہ امر مہربانی سے نزدیک تر ہے۔ اور بلندی درجات کا باعث ہے، اور یہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے، کیونکہ یہ امر اللہ تعالیٰ کے علم میں دخل دینے سے دور رکھتا ہے، اور اس کے باعث رضاء الٰہی ورحمت بے حساب کے نزدیک انسان پہنچتا ہے اور یہی وہ دروازہ ہے جس کے باعث خالق اکبر بندے کو خلائق پر رحمت عطا کرتا ہے۔

ساتویں: خصلت یہ ہے کہ ظاہر ہر و باطن میں گناہ کی چیزوں پر اپنی نظر کو روک لے اور اپنے ہاتھ اور پاؤں کو ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھے، اور یہ نگہداشت ایک بہت بڑا ذریعہ ہے، جس سے نیک اعمال اس کے دل اور اعضاء میں سرایت کرتے ہیں، جن کا وہ دنیا میں آخرت کیلئے ذخیرہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ وہ ان خصائل پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے دل سے نفسانی خواہشات کو دور فرمائے۔

آٹھویں: خصلت ہے کہ یہ اپنا بوجھ خلق اللہ میں سے کسی شخص پر نہ رکھے اور جملہ خلائق سے اپنا بھار اٹھالے اور جس چیز کی اس کو محتاجی ہو اس چیز سے بے نیاز ہو جائے ، اور یہ بے نیازی عابدوں و پرہیزگاروں کی عزت کا شرف ہے اس کے باعث وہ لوگوں سے نیک کام کرانے پر قادر ہوجاتے ہیں ، اور بدی سے بغض رکھنے میں بھی ان کو دسترس ہوتی ہے، تمام خلقت اس عابد سے راستی کا برتاؤ کرتی اور جب بندہ اس خصلت کا عامل ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو غنی فرماتا ہے، اور پھر اس کو یقین وتوکل حاصل ہوجاتا ہے اور نفس کی خواہش زور نہیں پکڑتی سب لوگ اس کے ہاتھ صدق گوئی سے پیش آتے ہیں یہ یقین کرلیں کہ یہ صفت اس میں جو عزت کا باعث ہوئی ہے مومنوں اور پرہیز گاروں کا شرف ہے اور اخلاص کے دروازہ کی طرف اسی راہ سے نزدیک تر راستہ ہے۔

نویں: خصلت یہ ہے کہ بندے کو چاہئے کہ کسی شخص کے سامنے اپنا طمع کا ہاتھ نہ بڑھائے اور لوگوں کی دولت جاہ حشم کو دیکھ کر اپنے نفس کی ہوا وہوس کو تیز نہ کرے ، اسمیں بڑی عزت اور غناء حاصل ہوتا ہے اور خالص غناء والا بڑے ملک کا سردار بنتا ہے، اور یہ خصلت اللہ تعالیٰ کے دروازوں میں سے اعتماد کے دروازہ کی طرف ہے، اس خصلت کے حاصل ہونے سے پرہیز گاری کامل عبادت حاصل ہوتی ہے، اور یہ ان لوگوں کی امانت میں جو دنیا سے قطع تعلق کرکے اپنے رب کی طرف صدق دل سے رجوع کرتے ہیں۔

دسویں: خصلت تواضع ہے، جس سے عابد کا مقام مضبوط ہوتا ہے اور خلق اللہ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا درجہ کامل اور بلند ہوتا ہے وہ دنیا وآخرت کے جن کاموں کی کرنے کی کوشش کرے ان پر قادر وتوانا ہوتا ہے ، اور یہ خصلت تمام خصلتوں کی جڑ ہے، بلکہ کل

عبادتوں کا ایک مجموعی درخت مع شاخ و بن کے ہے، اس خصلت کے باعث بندہ کو وہ جگہ نصیب ہوتی ہے جو ہر حال یعنی خوشی و غمی میں برضائے الٰہی رکھتی ہے یہ خصلت کمال پرہیز گاری ہے، تواضع کے یہ معنیٰ ہیں کہ ہر بندہ کو اپنے سے ہر بات میں بہتر و برتر سمجھا جائے اور یہ خیال ہو کہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے اس کا درجہ بہتر اور برتر اور بلند ہے، اگر وہ بندہ اس سے چھوٹا ہو تو اس کے نزدیک یہ خیال کرے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی بلکہ میں نے کی ہے، اس لئے کوئی شک نہیں کہ مجھ سے یہ بہتر ہے، اور اگر یہ اس سے بڑا ہو تو پھر یہ خیال کرے، کہ اس نے تو مجھ سے زیادہ عبادت وطاعت الٰہی کی ہے، اور اگر عالم ہو تو اس کی نسبت یہ خیال کرے کہ اس کو اللہ تعالیٰ سب کو روشنی عطا فرمائی ہے، اور میں کور باطن ہوں، اور علم کی نعمت سے محروم ہوں، میرے افعال نادانستہ اور جہالت کے ہیں، اور اس کے افعال ازروئے علم عقل و دانش کے ہیں، اور اگر وہ جاہل ہو تو پھر یہ سمجھے کہ یہ شخص تو بوجہ جہالت کے نافرمانی کرتا ہے، مگر میں باوجود علم کے گناہ کرتا ہوں، اور مجھے میرے انجام کا علم نہیں کہ کیا ہوگا، اگر وہ کافر ہو تو اس کو دیکھ کر دل میں خیال کرے کہ شاید یہ کبھی مسلمان ہو جائے، اور اس کی عاقبت بخیر ہو، اور شاید دیکھنے والا کبھی کافر ہو جائے تو پھر بہت برا سامنا ہوگا، درحقیقت یہ خصلت دروازہ شفقت اور ترس کا ہے، اور عاقبت کیلئے بہترین توشہ ہے، اور آخر ان چیزوں کی ہے جن کا اثر بندوں پر باقی رہتا ہے، جب یہ خصلت بندہ میں پیدا ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ اس بندے کو ہلاکت و بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے، اور اس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں کی منزلیں طے کرتا ہے، اور اللہ کے برگزیدہ دوستوں میں داخل ہو جاتا ہے، اور ابلیس لعین خدا کے دشمنوں میں شمار ہوتا ہے، یہ خصلت تو رحمت کا دروازہ ہے، علاوہ ازیں اگر راہ تکبر کو طے کر کے غرور کے رشتہ کو کاٹ دیا، اور جاہ وجلال

کے خیال کو دل سے مٹا ڈالا تو یہی مغز عبادت اور زاہدوں کی انتہائے بزرگی ہے، اور عابدوں کی ایک خاص علامت ہے اور کوئی چیز بھی اس سے زیادہ بزرگ نہیں ہے، باوجود اس کے اپنی زبان عالموں کے ذکر سے رو کے اور یہ مرحلہ اس وقت تک طے نہیں ہوتا جب تک یہ خصلت حاصل نہ ہو جائے، یعنی کینہ و نافرمانی اور تکبر کو دل سے نکال ڈالے، اور ہر حال ظاہر و باطن میں اس کی زبان یکطرفہ ہو، اور ظاہر و باطن میں قصد بھی اس کا ایک درجہ ہو، اور وہ کسی کی نصیحت کرنے والا نہ ہو، اگر خلق خدا میں سے کسی کو کسی شخص کی برائی کرتے ہوئے، سنے یا اس کے ساتھ خود بھی کرے یا کسی کی برائی سن کر دل میں خوش ہو تو یہ امر عابدوں و زاہدوں کی سعادت کو ہلاک کرنے کا ہے، کیونکہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نگاہ میں رکھا ہے، اور اس کا دل اپنی رحمت سے معمور فرما دیا ہے، اس کی زبان سے برائی نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ اس کو ان بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین، صفحہ: ۷۹۲)



سحر، ساحرین، جنات اور شیاطین سے نجات کا مجرب نسخہ

سلسلہ کے تمام حضرات اس مضمون کو بار بار پڑھ کر حرزِ جان بنالیں اور پورا پورا استفادہ کریں۔

﴿حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نہایت قیمتی ملفوظات﴾

﴿جنات کیسے بھاگتے ہیں؟﴾

فرمایا: سالک طریقت کی پیشانی کے نور سے مومن جنات گرویدہ و دیگر جنات وشیاطین بھاگ جاتے ہیں، یہ نور ازلی ہوتا ہے، ہر پریشانی میں موجود ہوتا ہے، لیکن مستور ہوتا ہے، نفس کی کدورت کی جھلی اس نور کو محجوب کئے ہوتی ہے۔

نفس جب کدورت سے پاک ہوتا ہے تو یہ نور منور ہوجاتا ہے، جگمگا اٹھتا ہے، ورنہ کسی اور طرح یہ حجاب نہیں اٹھ سکتا، بھاویں سوسو حیلے کرو، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال جنات وشیاطین کو جلا دیتا ہے، کوئی بھی تاب نہیں لاسکتا۔

﴿قرآن شریف شیطان کو کیسے جلاتا ہے﴾

فرمایا: سالک جب قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہوتا ہے قرآن مجید کے نور کے جلال سے ہمزات شیاطین لاغر نحیف اور بے بس ہوکر توبہ توبہ کرنے لگتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال شیطان کو جلا دیتا ہے، تلاوت قرآن، نماز، ذکر ان تینوں میں ہر مرض سے کلی شفاء ہے، ان تینوں کی کثرت مساوی ہو یہی سلف صالحین کا نسخۂ کیمیا ہے۔

شیطان سے بچنے کا ہتھیار

فرمایا: دیکھئے بیت اللہ، اللہ تعالی کا گھر ہے ابرہہ نے چاہا تھا کہ اس گھر کے اوپر

قبضہ جمائے، اللہ تعالی نے ابابیلوں کو مسلط کر دیا، انہوں نے کنکریاں مار مار کر اس کے پورے لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا، بالکل اسی طرح انسان کا دل اللہ تعالی کا گھر ہے، اگر شیطان اس کی طرف قدم بڑھانا چاہے تو آپ لا الہ الا اللہ کی ضربوں سے اور اللہ اللہ کے الفاظ سے اس کے اوپر پتھروں کی بوچھاڑ کیجئے، پھر دیکھئے کہ اللہ آپ کو شیطان سے محفوظ فرمالیں گے اور قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔ (سورہ الاعراف، آیت:201)

ترجمہ: بلاشبہ جنہوں نے تقوی اختیار کیا جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال بھی ان کو چھوتا ہے تو وہ اللہ کا ذکر کر لیتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔



شجرہ : سلسلۂ چشتیہ منظومہ: حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ

(حضرت مولانا) محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز بیعت

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: حضرت حاذق الامت مولانا ذکی الدین صاحب پرنامبیؒ

خلیفہ ومجاز: مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلالا آبادیؒ

خلیفہ ومجاز: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

سلاسل اربعہ کے مشائخ کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ مشائخ کا شجرہ انفرادی اور اجتماعی طور پر پڑھنے سے مصائب دور، مسائل حل اور مقاصد پورے ہوتے ہیں، اسلئے باجازت شیخ اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کیواسطے

اوردر ودونعت ختم الانبیاء کیو اسطے

اورسب اصحاب وآل مجتبیٰ کے واسطے

رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے کے واسطے

بالخصوص ان اولیائے باصفا کے واسطے

مولوی اشرف علی شمس الہدیٰ کے واسطے

حاجی امداداللہ ذوالعطا کے واسطے

حاجی عبدالرحیم اہل غزا کے واسطے

شیخ عبدالباری شہِ بے ریا کے واسطے

شاہ عبدالہادی پیر ہدے کے واسطے

شاہ عضدالدین عزیز دوسرا کے واسطے

شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے

شہ محب اللہ شیخ باصفا کے واسطے

بوسعید اسد اہل ورا کے واسطے

نشہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے

شہ جلال الدین جلیل اصفیا کیواسطے

عبدقدوس شہ صدق وصفا کیواسطے

اے خدا شیخ محمد راہنما کے واسطے

شیخ احمد عارفِ صاحب عطاء کیواسطے

احمد عبدالحق شہ ملکِ بقا کیواسطے

شہ جلال الدین کبیر اولیاء کے واسطے

شیخ شمس الدین ترک باضیا کیواسطے

شیخ علاالدین صابر بارضا کیواسطے

شہ فریدالدین شکر گنج بقا کے واسطے

خواجہ قطب الدین مقتول دلا کیواسطے

شہ معین الدین حبیب کبریاء کے واسطے

خواجہ عثمان با شرم وحیا کے واسطے

خواجۂ مودود چشتی پارسا کے واسطے

شاہ بو یوسف شہ شاہ و گدا کیواسطے
بو محمد محترم شاہِ ولا کے واسطے
احمد ابدال چشتی باسخا کے وا سطے
شیخ ابو اسحاق شامی خوش ادا کیواسطے
خواجہ ممشاد علوی بو العلا کیواسطے
بو ہبیرہ شاہ بصری پیشوا کیواسطے
شیخ حذیفہ مرعشی شاہِ صفا کیواسطے
شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کیواسطے
شیخ حسن بصری امام اولیاء کیواسطے
ہا دی عالم علی شیر خدا کیواسطے
سرور عالم محمد مصطفے کے واسطے
یاالٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے
یا حق اپنے عاشقان باوفا کیو اسطے
یارب اپنے رحم واحسان وعطا کیواسطے
کر رہائی کا سبب اس مبتلا کیو اسطے
کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کیواسطے
ہے عبادت کا سہارا عابدوں کیو اسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کیواسطے
بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کیواسطے
اپنے لطف ورحمت بے انتہا کیواسطے

معمولات

صبح و شام

معمولات اوران کی تعداد کم ہوں یا زیادہ مشائخ اپنے مریدین ومتوسلین کوان کے حسب احوال ارشاد فرماتے ہیں ۔راقم السطور مندرجہ ذیل طریقے پر سالکین طریقت و عاشقان حق کی رہنمائی کا ادنی فریضہ انجام دیتا ہے۔

﴿طبقۂ اولیٰ﴾

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت حکیم الامتؒ کے بعض ذاتی معمولات یہ تھے ۔تہجد کے بعد آپ اس طرح معمولات کوشروع فرماتے:

أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِي بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ______ 3، بار

اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْه ______ 100 بار

درود شریف۔ ______ 100 بار

لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله۔ ______ 200بار

اِلَّا الله۔ ______ 400, بار

اَللّٰهُ الله۔ ______ 600, بار

اَللّٰهُ۔ ______ 100 بار

تلاوت کلام پاک کم ازکم ایک پارہ مع سورۂ یسین شریف۔

مناجات مقبول حضرت حکیم الاتؒ۔ ______

ایک منزل ______

شام کے معمولات

استغفار۔ ______ 100، بار

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ______ 100، بار

درود شریف۔ ______ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

طبقۂ ثانیہ صبح کے معمولات

أَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِی عَنْ غَیْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ______ 3، بار

اَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ______ 100، بار

درود شریف۔ ______ 100، بار

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ______ 100، بار

اَللہُ اللہ۔ ______ 100، بار

اللہ۔ ______ 100، بار

کم از کم سورۂ یسین شریف کی تلاوت، زیادہ سے زیادہ تلاوت کی کوئی حد نہیں۔

مناجات مقبول حکیم الامتؒ ہر روز۔ ______ ایک منزل

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

شام کے معمولات

استغفار۔ ______ 100، بار

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ______ 100، بار

درود شریف۔ ______ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

(نوٹ)

طبقۂ اولیٰ کیلئے حسب طاقت صبح میں

سورۂ اخلاص۔ ______________ 100، بار

تیسرا کلمہ، سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکۡبَر۔ ____ 100، بار

طبقۂ اخیر کیلئے صبح کے معمولات

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ ______________ 33، بار

أَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ رَبِّیۡ مِنۡ کُلِّ ذَنۡبٍ وَّأَتُوۡبُ اِلَیۡہِ۔ ________ 33، بار

أَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ وَآلِہٖ وَبَارِكۡ وَسَلِّمۡ۔ _____ 33، بار

قرآن شریف کی تلاوت کم از کم دس آیتیں۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

شام کے معمولات

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ ______________ 33، بار

استغفار۔ ______________ 33، بار

درود شریف۔ ______________ 33، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

عشاء کی نماز کے بعد وتر سے قبل دو یا چار رکعت تہجد ہر طبقہ کیلئے۔



{مؤلف کا تعارف}

نام : محمد علاء الدین قاسمی ابن الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب۔

ولادت و پیدائش : مقام و پوسٹ: جھگڑوا، تھانہ جمال پور، وایا گھنشیام پور، ضلع

دربھنگہ بہار (انڈیا)

ابتدائی تعلیم : ناظرہ، وحفظ، وقرأت قرآن شریف: مدرسہ عربیہ حسینیہ چلہ امروہہ ضلع مرادآباد یوپی۔

عربی اول : جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد (یوپی)

عربی دوم، سوم : مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (یوپی)

اعلی تعلیم : عربی چہارم تا دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند (یوپی)

فراغت : سنہ ۱۹۹۱ء

بعد فراغت مصروفیات...

درس وتدریس : درجہ سوم تا ہفتم: مدرسہ حسینیہ شریوردھن کوکن مہاراشٹر۔

حرمین شریفین کی زیارت اور عملی سرگرمیاں: فریضۂ امامت اور جدہ اردو نیوز کے لئے کالم نگاری۔

موجودہ مصروفیات : خانقاہ اشرفیہ پالی کی ذمہ داری اور تصنیف وتالیف کے مشاغل۔



مؤلف کی مشہور کتابیں

۱۔ رمضان المبارک سے محرم الحرام تک۔

۲۔ اپنے عقائد کا جائزہ لیجئے۔

۳۔ نکاح اور طلاق۔

۴۔ حج گائیڈ۔

۵۔ چالیس حدیثیں۔

۶۔ جادوٹونا، اور کہانت کا حکم۔

۷۔دس عظیم صحابہ کرامؓ کے ایمان افروز واقعات۔

۸۔ وعظ وادب کا خزانہ۔

۹۔ عظمت قرآن۔

۱۰۔ مسائل حاضرہ۔

۱۱۔ قربانی کے ضروری مسائل۔

۱۲۔ اصلاح کا تیر بہدف نسخہ ۔

۱۳۔ چراغ اصلاح۔

۱۴۔تکبر ایک وبال ہے۔

۱۵۔تنقید ایک بُری عادت ہے۔

۱۶۔جنت کے حسین محلات اور لذیذ ونفیس نعمتیں۔

۱۷۔تراویح کا پیسہ لینا جائز نہیں۔

۱۸۔رمضان المبارک کو نفع بخش اور مقبول بنانے کے صحیح طریقے۔

۱۹۔قیامت کی آخری علامتیں۔

۲۰ تصوف کی اہمیت وضرورت۔

۲۱۔غیبت ایک گندہ عمل ہے۔

۲۲۔اصلاح کے قیمتی موتی۔

۲۳۔اصلاح کے اہم نسخے۔

۲۴۔اخلاص اور اخلاق۔

۲۵۔اصلاحی واقعات جلد،اوّل۔

۲۶۔اصلاحی واقعات جلد دوم۔

۲۷۔اصلاحی واقعات جلدسوم۔

۲۸۔دعاء کا صحیح طریقہ۔

۲۹۔اصلاح کا مبارک سفر۔

۳۰۔قربانی کی شرعی حیثیت۔

۳۱۔پنج وقتہ نماز اوران کے ضروری مسائل۔

۳۲۔محرم الحرام تاریخ وشریعت کے آئینے میں۔

۳۳۔عہدہ ومنصب کا حریص،رسوائی اور وبال کا طالب ہے۔

۳۴۔اتحادواتفاق کے بغیرآپ کی جماعت کا فیل ہونا طے ہے۔

۳۵۔علماءاکرام اصلاح کی روحانی چھاؤں میں۔

۳۶۔مزارات اولیاءاکرامؒ اوران کے فیوض وبرکات۔

۳۷۔روح اورنفس کے اوصاف احوال اورانجام۔

﴿بیعت سے آدمی پاک صاف ہوجاتا ہے﴾

حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں میرا بیعت ہونے کو بہت جی چاہتا تھا، مگر ہمت نہیں ہوتی تھی کیونکہ مجھے یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر بیعت ہونے کے بعد بھی گناہ ہوتے رہے تو بیعت ہونے سے کیا فائدہ؟ اس لئے پہلے حضرت میرے ناپاک ہاتھوں کو اس قابل کردیں کہ حضور کے پاک ہاتھوں میں دے سکوں ،احقر کی عرض مذکور پر تمثیلاً فرمایا کہ: ایک دریا تھا اس کے پاس ایک ناپاک اور میلا کچیلا آدمی آیا اس دریا نے کہا کہ آ تو میرے پاس آجا۔ اس نے کہا کہ میری بھلا کیا مجال ہے میں تیرے پاس آسکوں، تو بالکل صاف وشفاف، میں بالکل نجس، پلید، ناپاک، دریا نے جواب دیا تو تو اس حالت میں میرے پاس آنے نہیں پاتا اور بغیر میرے پاس آئے اور میرے اندر نہائے پاک ہو نہیں سکتا، تو بس ہمیشہ کیلئے دوری ہی رہی، ارے بھائی پاک ہونے کی تدبیر بھی تو یہی ہے کہ بس آنکھیں بند کر کے بلا پس وپیش میرے اندر کود پڑ بس، پھر فوراً ہی میرے اندر سے ایک ایسی موج اٹھے گی جو تیرے سر پر ہو کر گذر جائے گی اور آن کی آن میں تیری ساری نجاستوں کو دھو کر تجھے سر سے پاؤں تک بالکل صاف کردے گی۔ (اشرف السوانح، ج/2، صفحہ/51)

نوٹ:

اس مضمون کو طباعت کے وقت بیک فرنٹ پر ڈالیں